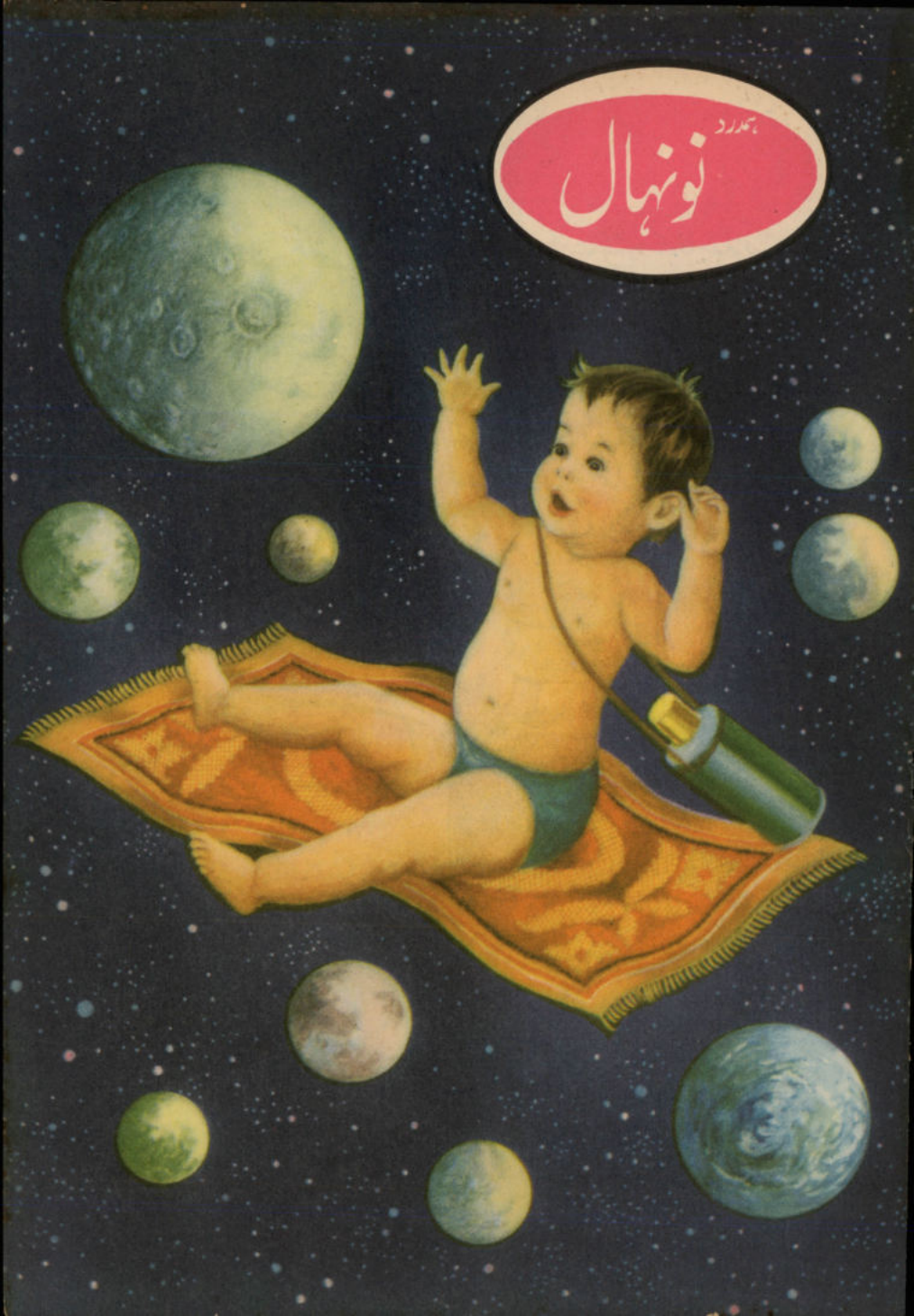

ہمدرد
نونہال

# فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی بہتر ہے

خون میں سرائت کئے ہوئے فاسد مادے پھوڑے، پھنسیوں اور کئی دوسری جِلدی بیماریوں کو جنم دیتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے صافی باقاعدگی کے ساتھ استعمال کیجئے۔ خون کی صفائی اور جِلدی بیماریوں سے محفوظ رہنے کا مفید ذریعہ ہے۔

ٹیلے فون: ۶۱۶۰۰۱ (۵ لائنیں)

# نونہال

## مجلسِ ادارت

حکیم محمد سعید دہلوی صدرِ مجلس

مسعود احمد برکاتی مُدیر

حکیم محمد یٰسین دہلوی مُدیر

جمادی الاول ۱۳۹۷ھ

مئی ۱۹۷۷ء

جلد ۲۵ شمارہ ۵

قیمت

عام شمارہ :- ایک رُپیہ پچھتر پیسے

سالانہ :- اٹھارہ رُپے

پتا: ہمدرد نونہال۔ ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۱۲

ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن (پاکستان) نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

# اس رسالے میں کیا ہے؟


| | | |
|---|---|---|
| جاگو جگاؤ | جناب حکیم محمد سعید | ۳ |
| خیال کے پھول | ننھے گل چیں | ۴ |
| بوجھو تو جانیں (نظم) | جناب شاعر لکھنوی | ۵ |
| دل چسپ اور حیرت انگیز | ادارہ | ۶ |
| عمر خیام | جناب علی ناصر زیدی، محترمہ رخشندہ زیدی | ۷ |
| چڑیا کے بچے | جناب رشید الدین احمد | ۱۳ |
| شہید | محترمہ فرخندہ لودھی | ۱۷ |
| اخبار نونہال | ننھے صحافی | ۲۸ |
| اچھی باتیں (نظم) | جناب قمر صدیقی | ۳۰ |
| ہمدرد انسائیکلوپیڈیا | جناب ارق و جناب علی ناصر زیدی | ۳۱ |
| سائلس مارنر | مادام جارج ایلیٹ / ترجمہ علی اسد | ۳۵ |
| انھوں نے ۴۰ صفحات روزانہ لکھے | ادارہ | ۴۵ |
| جادو | جناب معراج | ۴۷ |
| ہمارا کسان (نظم) | جناب عاشق کیرانوی | ۵۲ |
| درخت سب سے زیادہ زندہ رہتے ہیں | جناب مناظر صدیقی | ۵۵ |
| رنگ برنگی پھل جھڑیاں | ننھے مزاح نگار | ۶۱ |
| ندامت کے آنسو | جناب شاہ جہاں احمد رانا | ۶۳ |
| معلومات عامہ، سلسلہ ۱۳۳ | جناب عصمت علی پٹیل | ۷۳ |
| بزم نونہال | نونہال پڑھنے والے | ۷۵ |
| اس شمارے کے مشکل الفاظ | ادارہ | ۷۹ |
| نونہال مصور | ننھے آرٹسٹ | ۸۰ |
| صحت مند نونہال | ادارہ | ۸۲ |
| نونہال ادیب | ننھے لکھنے والے | ۸۵ |
| معلومات عامہ ۱۳۱ کے صحیح جوابات | ادارہ | ۱۰۵ |
| حلقۂ دوستی | ادارہ | ۱۰۹ |

# جاگو جگاؤ

انسان کی فطرت میں نقل کرنے کا جذبہ رکھا گیا ہے۔ بڑے لوگوں کا اثر انسان پر زیادہ ہوتا ہے، اس لیے ان کی نقل زیادہ کی جاتی ہے۔ اس جذبے سے فائدہ اُٹھانے کا اچھا طریقہ یہ ہے کہ بڑے لوگوں کے حالات پڑھے جائیں۔ ہر شخص بڑے لوگوں سے نہیں مل سکتا پھر جو لوگ گزر گئے ہیں ان سے ملنا تو ممکن بھی نہیں ہے، اس لیے اُن لوگوں کے سوانح عمریاں پڑھ کر ہم اُن کی زندگی کو سمجھ سکتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنے حالات خود لکھ دیتے ہیں جن کو "خود نوشت سوانح عمری" کہتے ہیں۔ ان کا مطالعہ کرنے سے ہم میں اُن جیسا بننے اور اُن کی نقل کرنے کی خواہش پیدا ہوگی اور ہم میں بھی وہی خوبیاں پیدا ہو جائیں گی جو بڑے لوگوں میں ہوتی ہیں۔

بڑے لوگوں کے حالات پڑھنے سے تمھیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ وہ کیسی کیسی مشکلات سے گزرے اور اُن کو آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے لیے کتنی سخت محنت کرنی پڑی۔ اس طرح تم میں بھی ہمت اور لگن بڑھے گی۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

# خیال کے پھول

★ نعمت ایک وحشی جانور ہے، اُسے شکر کی زنجیروں سے باندھ رکھو۔ (رسول اکرمؐ)

★ ہر مصیبت کی انتہا ہوتی ہے۔ سمجھ دار کو چاہیے کہ وہ حالات کی ناسازگاری سے بد دل نہ ہو۔ (حضرت علیؓ)

★ بے صبری سے تقدیر الٰہی تو ٹل نہیں سکتی، البتہ اجر و ثواب ضرور ضائع ہو جاتا ہے۔ (حضرت علیؓ)

★ بہادر کا امتحان میدانِ جنگ میں، دوست کا ضرورت کے وقت اور عقل مند کا امتحان غیظ و غضب میں ہوتا ہے (ہربرٹ اسپنسر)

مرسلہ: شیخ محمد افضل خالد، کراچی

★ مُٹھی کھولو اور زبان بند کرو۔ (خواجہ ابراہیم بن ادھمؒ)

★ دولت کو وہی عزیز رکھتا ہے جس کو خدا ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ (خواجہ حسن بصریؒ)

★ جو توقع تم دوسروں سے رکھتے ہو پہلے خود اُس کی تکمیل کرو۔ (خواجہ حسن بصریؒ)

مرسلہ: عمران شاہ، کراچی

★ وہ علم دل میں گھر نہیں کرتا جو نفع حاصل کرنے کے لیے سیکھا جائے۔ (امام ابوحنیفہؒ)

★ دُنیا میں انھی لوگوں کو عزت اور عظمت حاصل ہوئی جنھوں نے اپنے استادوں کا احترام کیا۔ (سر سیّد احمد خان)

★ علم ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے جس کی تہہ بے شمار موتیوں سے بھری پڑی ہے۔ میں ایک چھوٹے بچے کی طرح اس کے کنارے پر کنکریاں چُن رہا ہوں۔ (نیوٹن)

(مرسلہ: اسد اسمٰعیل، کراچی)

★ اگر خوشی اور مسرت حاصل کرنا چاہتے ہو تو اُن چیزوں کے متعلق پریشان ہونا چھوڑ دو جن پر تم کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ (اپیکٹیٹس)

★ میں زندگی میں کبھی ناکام نہیں رہا، کیوں کہ میں نے ہر ناکامی سے کچھ نہ کچھ فائدہ اور سبق ضرور حاصل کیا ہے۔ (ایڈیسن)

★ تسلیم و رضا کو سفرِ حیات کی ضروریات میں اولیت حاصل ہے۔ (شوپنہار)

★ زندگی میں حرکت پیدا کرنے والی قوت اعتماد ہے۔ (ٹالسٹائی) مرسلہ: سید ذاکر حسین

★ انسان کا کردار اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس چیز سے خوش ہوتا ہے (ورڈزورتھ) مرسلہ: افشاں پروین

# بُوجھو تو جانیں

شاعر لکھنوی

کاغذ کی ہے ایک نلی     اِس میں ہے بارُود بھری
اُوپر اُوپر جی بہلائے     اندر اندر آگ لگائے
کھٹکے حلق میں بن کر پھانس     سُلگے اس سے اِک اِک سانس
مُنہ میں بدبُو، سر میں درد     آنکھیں دُھندلی، چہرہ زرد
کھانسی، جکڑن اور گھُٹن     رہ رہ کے سینے میں جلن
معدہ گُم، اعصاب اُداس     کھوئی کھوئی بھُوک اور پیاس
ایک اک کش ہے دُشمنِ جاں     زہر سے بدتر اِس کا دھواں
ریزش، نزلہ اور زُکام     اِس کے ہزاروں ہیں انعام
ساتھ نبھائیں اس کا اگر     جل جائیں دل اور جگر
کام اِس کا صحّت کا شکار     کینسر اِس کا رِشتے دار

سارے اشارے ہوئے تمام
بوجھو بچّو اِس کا نام

# دِل چسپ اور حیرت انگیز

۱۸۹۱ء میں ایک گھوڑے کی پیمائش کی گئی تو پتا چلا کہ اُس کی دُم دس فیٹ لمبی ہے اور اُس کے ایال (گردن کے اوپر کے بال) تیرہ فیٹ لمبے ہیں

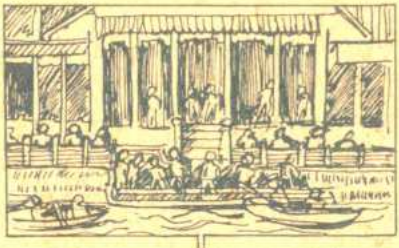

چین کے پی ہائی محل کے باغات کی تصویر ایک ہاتھی کے دانت پر تراش کر بنائی گئی ہے۔ ہاتھی کا یہ دانت چھ فیٹ لمبا ہے۔ اس کام میں سات نقاشوں کو تین سال لگ گئے۔

محل، باغات اور دوسری عمارتوں کے علاوہ اس تصویر میں بارہ سو آدمیوں کی شکلیں بھی بنی ہوئی ہیں۔ ان شکلوں کو اگر کسی بہت طاقت ور خُردبین سے دیکھا جاتا ہے تو چہروں کی جذباتی کیفیت بھی نمایاں ہوجاتی ہے۔

ابوالفتح عمر بن ابراہیم خیّام

عظیم مسلمان حکیم، فلسفی، شاعر، منجم

ولادت ۱۰۳۹ء   وفات ۱۱۲۴ء

# عُمر خیّام

علی ناصر زیدی ، رخشندہ زیدی

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ سلطان محمود غزنوی کو فراموش نہیں کر سکتی۔ اِس بادشاہ کا اِنتقال ۱۰۳۰ء میں ہوا۔ اس کے بعد غزنوی حکومت کا زوال شروع اور وہ صرف افغانستان اور پنجاب تک محدود ہو کر رہ گئی۔ خُراسان، ایران کا ایک صوبہ تھا جس پر طغرل نامی فرماں روا کی حکومت تھی۔ اس کا دارالحکومت نیشاپور تھا۔ طغرل سلجوقی تُرک تھا۔ اسی کے دورِ حکومت میں اس عہد کا سب سے بڑا سائنس دان عُمر خیّام پیدا ہوا جس کا پورا نام ابوالفتح عمر بن ابراہیم خیّام تھا۔ اس کا سنِ پیدائش ۱۰۲۹ء ہے۔

عمر کا باپ خیمے سینے کا کام کرتا تھا۔ اسی لیے "خیام" کہلاتا تھا۔ یہ نسبت اس کے بیٹے کے ساتھ بھی جاری رہی۔ اگرچہ اسے خیمے سینے سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ پوری دُنیا اس عالِم کو ایک شاعر کی حیثیت سے جانتی ہے۔ اس کی رباعیات کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور کم لوگ اس حقیقت سے آگاہ ہوں گے کہ شاعری تو اس قابل انسان کے لیے محض تفریحِ طبع کا ایک ذریعہ تھی۔ اصل میں وہ اپنے دور کا ایک عظیم ریاضی دان اور ہیئت دان تھا۔ عمر خیام کی بدولت دنیا اس کیلنڈر سے متعارف ہوئی جو اس کے محسن جلال الدین ملک شاہ سلجوقی کے نام کی رعایت سے "التاریخ الجلالی" کے نام سے مشہور ہے۔

**نیشاپور — علم کا عظیم مرکز** خیّام کی شہرت اور قابلیت میں اس کے وطن عزیز نیشاپور کا بڑا حصہ ہے جو علم و ادب کا ایک اہم مرکز تھا۔ اس نے سامانیوں، آلِ بویہ اور غزنویوں کا عہد اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ خیام کی پیدائش سے ایک سال قبل سلجوقیوں کے قدم یہاں آئے تھے۔ اس وقت یہاں کئی اچھے مدرسے موجود تھے اور بڑے بڑے علما علمی مجالس و مباحث

میں مصروف رہتے تھے۔ عمر خیام نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی اور اس سے بہت فائدہ حاصل کیا۔ بوعلی سینا کے کئی فاضل شاگرد اس شہر میں موجود تھے جن میں ابوالحسن زنہاری کا نام قابلِ ذکر ہے۔ خیام نے اس کی شاگردی اختیار کی اور اس سے فلسفہ، ریاضی اور ہئیت کا درس لیا۔ خیام نے طب کا مطالعہ بھی کیا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں کی عظمت کا سورج بلندی پر تھا۔ نیشاپور کے علاوہ سمرقند، بخارا اور بلخ میں علم و فن کے چرچے تھے۔ ترک حکمران علما و فضلا کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور انھیں اپنے دربار میں جگہ دیتے تھے۔ ترکوں کی حکومت ترکستان میں کئی صدیوں تک قائم رہی۔ عمر خیام کے زمانے میں اس سلطنت کا فرماں روا شمس الملک تھا۔ اس کا پایہ تخت سمرقند تھا۔ یہ حکمران خود بھی عالم تھا۔ اور عالموں کی قدر کرتا تھا۔ اس کی شہرت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔

**ریاضی سے دلچسپی** نیشاپور میں تعلیم حاصل کرنے کے زمانے میں ہی عمر خیام کو ریاضی سے گہری دلچسپی پیدا ہوگئی تھی، چناں چہ اس نے سب سے پہلے اسی مضمون پر ایک کتاب "مکعبات" تصنیف کی جس میں جذر نکالنے کے مختلف طریقوں سے بحث کی گئی ہے۔ شروع شروع میں لوگوں نے اس کے علم و فضل اور تخلیقی کارناموں کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ اس بے قدری سے خیام کو صدمہ ہوا اور اس نے ترکستان کے دارالحکومت سمرقند چلے جانے کا ارادہ کیا، جہاں اس کو قدر و منزلت کی امید تھی۔

**"الجبر والمقابلہ" کی تصنیف** سمرقند میں عمر خیام ابو طاہر نامی ایک رئیس کی بارگاہ سے منسلک ہوگیا، وہ ریاضی سے دلچسپی رکھتا تھا اور اس علم کے ماہرین کا قدردان تھا۔ اسی زمانے میں خیام نے ریاضی پر اپنی مشہور تصنیف "الجبر والمقابلہ" ترتیب دی۔ یہ ۱۰۷۰ء کا زمانہ تھا جب عمر خیام کی عمر اٹھائیس سال تھی تھی۔ یہ تصنیف مکمل کرنے میں اسے پورے سات سال لگے۔ اس میں جو نظریات پیش کیے گئے ہیں وہ کسی نہ کسی شکل میں آج تک موجود ہیں۔ ۱۸۵۰ء میں اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا گیا۔

**دربارِ سمرقند** سمرقند میں ابوطاہر نے عمر خیام کو شمس الملک شاہِ ترکستان سے متعارف کرایا جس نے اس کی سرپرستی کی اور اس کی علمی خدمات کے صلے میں

اسے بہت سے اعزازات بخشے۔ خیام دربارِ سمرقند میں بہت خوش رہا، لیکن اس کی نظر برابر اپنے وطن نیشاپور پر جمی رہی اور وہ اس انتظار میں رہا کہ وہاں کوئی فرماں روا ایسا برسرِ اقتدار آجائے جو اس کی قدر کرے تو وطن واپس چلا جائے۔ سمرقند اور نیشاپور کے درمیان کسی قسم کی رقابت بھی نہیں، کیوں کہ دونوں فرماں روا ایک دوسرے کے عزیز دار تھے۔ اسی وجہ سے ترکستان اور ایران کے باشندوں میں میل جول تھا اور ایک ملک سے دوسرے ملک آنے جانے پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں تھی۔ اس اثنا میں نیشاپور کے تخت پر ملک شاہ نامی فرماں روا بیٹھا جو علم دوست تھا، چناں چہ دس سال سمرقند میں گزارنے کے بعد ۱۰۷۶ء میں عمر خیام اپنے وطن واپس آیا۔

ملک شاہ کے دربار میں عمر خیام کی قدر زیادہ تر ایک طبیب کی حیثیت سے ہوتی تھی۔ ملک شاہ کا بیٹا اس کے علاج سے شفایاب ہوا تو خیام کو شاہی طبیب بنا دیا گیا، لیکن خود اسے طب سے زیادہ لگاؤ نہیں تھا۔ وہ ریاضی اور ہیئت کا دل دادہ تھا۔ اُس ابتدائی زمانے میں یہ علوم عوام کے لیے بالکل افادیت یا دل چسپی نہیں رکھتے تھے، اس لیے خیام کو چار و ناچار دوسروں کی ضروریات کو پورا کرنا پڑتا تھا۔

**رَصدگاہ کی تعمیر** ملک شاہ سلجوقی کا وزیر نظام الملک بھی علم دوست شخص تھا۔ اس نے بادشاہ کو اصفہان میں رصدگاہ تعمیر کروانے کا مشورہ دیا.... اس رصدگاہ کی نگرانی عمر خیام کے سپرد کی گئی —— کئی ممتاز ہیئت داں مددگاروں کی حیثیت سے اور بہت سا روپیہ آلات کی خریداری کے لیے اس کے سپرد کیا گیا۔ رصدگاہ تعمیر ہوگئی اور یہاں عمر خیام کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع میسّر آیا۔ ایک روایت کے مطابق عمر خیام نظام الملک کا ہم سبق تھا۔

**کیلنڈر کا مسئلہ** عمر خیام کا کیلنڈر "تاریخ الجلالی" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کیلنڈر بھی اسی رصد گاہ میں ترتیب دیا گیا۔ یہ ایک اہم کارنامہ ہے۔ یہ کیلنڈر گریگوری کے کیلنڈر سے بھی زیادہ صحیح ہے۔ گریگوری کے قدیم کیلنڈر میں تین ہزار تین سو برس کے بعد ایک دن کا مغالطہ پیدا ہوتا ہے

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ زمین جتنے عرصے میں سورج کے

چاروں طرف ایک بار گردش کرتی ہے وہ مدّت ایک سال کہلاتی ہے۔ قدیم یونانی سائنس دان اسے پورے ۳۶۵ دن کے برابر سمجھتے تھے۔ بطلیموس نے اس میں پانچ گھنٹے اور ۵۵ منٹ کا اضافہ کر دیا لیکن عمر خیام نے اپنی تحقیقات کے بعد یہ مدّت ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے اور ۴۹ منٹ قرار دی۔ ہم موجودہ دور میں بہت سے سائنسی آلات کی ایجاد کے بعد یہ مدّت ۳۶۵ دن، ۵ گھنٹے، ۴۸ منٹ اور ۴۸۶۷ مانتے ہیں۔ یعنی خیام کی معلوم کردہ مدّت اور ہماری مدت میں صرف چند سیکنڈوں کا فرق ہے۔ اس سے اس ابتدائی دور کے اس عظیم ہیئت دان کی سُوجھ بُوجھ اور قابلیت ظاہر ہے۔

ایرانی کیلنڈر کے مطابق سال کا آغاز نوروز سے ہوتا تھا۔ جب موسم بہار میں دن رات برابر ہوتے ہیں۔ انگریزی حساب کتاب کے مطابق یہ صورت ۲۱ مارچ کو پیش آتی ہے۔ ایران کی بہار مشہور ہے۔ سال کا آغاز اسی موسم میں کیا جاتا تھا اور بارہ مہینوں میں سے ہر ایک ۳۰ دن کا ہوتا تھا۔ یہ لوگ آخری مہینے کے پانچ دن کا اضافہ کر دیتے تھے اور اس طرح اُن کا سال ۳۶۵ دن کے برابر ہو جاتا تھا۔ پھر بھی ہر سال تقریباً چھ گھنٹے کا فرق باقی رہ جاتا تھا۔ جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا جاتا تھا۔

اس فرق کو عمر خیام نے دور کیا اور وہ بھی نہایت آسان طریقے سے۔ اس نے ۵ اضافی دنوں کو آخری مہینے میں لگانے کے بجائے انھیں پورے سال پر تقسیم کر دیا اور اس طرح ۳۶۵ دن تو پورے ہو گئے لیکن ہر چوتھے سال ایک مہینے میں ایک دن کا اضافہ کر دیا اور وہ سال ۳۶۵ دن کے بجائے ۳۶۶ دن کا ہو گیا۔

ابھی تھوڑا سا فرق باقی تھا۔ خیام نے اسے بھی دُور کیا جو اُس کی مہارت کی دلیل ہے۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ایک سال پورے ۳۶۵ دن اور چھ گھنٹوں کا نہیں ہوتا، پانچ گھنٹے اور تقریباً ۴۹ منٹ کا ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر چوتھے سال ایک دن بڑھانے سے ۴۴ منٹ زائد ہو جاتے ہیں۔ عمر خیام نے اس اضافے کو دُور کرنے کے لیے یہ قاعدہ وضع کیا کہ جو سن ۳۲ پر تقسیم ہو جائے۔ اس میں سال کی مدّت، ۳۶۶ کے بجائے ۳۶۵ دن ہی رہنے دی جائے۔ اس اصلاح کے بعد ۳۷۷۰ سال کے بعد صرف ایک دن کا فرق پڑتا ہے۔

اس وقت دنیا میں جو شمسی تقویم (جنتری = کیلنڈر) جاری ہے اس کے مطابق ۴۰۰ برس میں لوند کے سال ۱۰۰ کی بجائے ۹۷ لیے جاتے ہیں اور یوں ۳۳۰۰ سال میں ایک دن کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خیّام کے وضع کردہ کیلنڈر میں غلطی کا عنصر کم ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ خیّام کے زمانے میں بہت کم ہیئتی آلات میسّر تھے۔ اس نے شاہی رصدگاہ میں مشاہدات کر کے ایک زائچہ بھی مرتب کیا تھا۔

ملک شاہ سلجوقی عمر خیام کا قدردان تھا، لیکن بدقسمتی سے اُس نے بہت تھوڑی عمر پائی۔ اس کے بیٹوں نے خیّام کی زیادہ قدر نہ کی لہٰذا وہ سرکاری ملازمت سے مستعفی ہو گیا۔ اس کی عمر کا آخری حصہ تنہائی میں گزرا، یہی وہ زمانہ تھا جب شاعری اس کے لیے وقت گزاری کا ایک ذریعہ تھی۔

خیّام نے ۱۱۲۴ء میں وفات پائی اور اپنے وطن نیشاپور میں دفن ہوا۔ خیّام کی رُباعیات کا ترجمہ یورپ کی بہت سی زبانوں میں ہو چکا ہے اور انھیں بہت بڑا ادبی کارنامہ قرار دیا گیا ہے۔

## معلوماتِ عامّہ کے جوابات بھیجنے والوں کے لیے ضروری ہدایات

- اکثر جوابات پر دو اور کبھی کبھی تین تین نونہالوں کے نام لکھے ہوتے ہیں۔ ہر نونہال صرف اپنے نام سے جوابات بھیجے اور ہر نونہال کے جوابات الگ کاغذ پر لکھے ہونے چاہییں۔
- معلوماتِ عامّہ کے جوابات ہر ماہ کی بیس۲۰ تاریخ تک بھیج دیجیے۔ اس کے بعد موصول ہونے والے جوابات شامل نہیں کیے جا سکتے۔
- معلوماتِ عامّہ کے جوابات جس کاغذ پر لکھیں اس پر اپنا نام اور مکمل پتا ضرور لکھیے۔ اس کے علاوہ کچھ اور نہ لکھیے۔
- بعض نونہال اپنا پورا نام نہیں لکھتے۔ مثال کے طور پر صرف این - ایم یا ایم۔ این لکھ دیتے ہیں۔ اپنا نام مختصر لکھنے کے بجائے اردو میں پورا نام لکھیے۔
- ایک نونہال جوابات کے ساتھ اپنی صرف ایک تصویر بھیج سکتا ہے۔ بعض نونہال اپنے ناموں کو بدل کر مختلف تصاویر ادارے کو بھیجتے ہیں جو صحیح بات نہیں ہے۔

# چڑیا کے بچّے

سید رشید الدین احمد

گرمیوں کے دن تھے۔ اسکول بند ہوئے ایک ہفتہ ہوگیا تھا۔ اسلم اور فرّخ چھٹیاں گزارنے اپنے ماموں کے گھر آئے ہوئے تھے۔ آج صبح وہ اپنے ماموں کے لڑکوں، اجمل اور سعدی کے ساتھ خوب تیرے تھے۔ جب تھک کر نڈھال ہوگئے تو کھانا کھانے گھر آگئے ماموں جان بھی گھر آگئے تھے۔ سب نے مل کر کھانا کھایا اور بڑے کمرے میں سونے کے لیے لیٹ گئے۔ بڑی سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ لُو کے مارے سب کا بُرا حال تھا۔ اجمل

اور سعدی تو لیٹتے ہی سو گئے لیکن اسلم اور فرخ کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ ماموں جان بھی آنکھیں بند کیے لیٹے تھے۔ اتنے میں دو چڑیاں روشن دان میں سے اندر آ گئیں۔ گرمی کے مارے اُن کے منھ کھلے ہوئے تھے۔ دونوں اُڑ کر ساتھ والے کمرے میں چلی گئیں اور چُوں چُوں، چُوں چُوں کرنے لگیں۔

اسلم نے فرخ کے کان میں چپکے سے کہا، "نیند نہیں آ رہی ہے، آؤ دیکھیں یہ چڑیاں کیا کر رہی ہیں؟" دونوں چپکے سے اُٹھ کر دوسرے کمرے میں گھس گئے۔ چھت کے پاس تختے کے نیچے ان چڑیوں کا چھوٹا سا گھونسلا تھا اور دونوں چڑیاں اپنے بچّوں کو دانہ دُنکا کھلانے میں مصروف تھیں۔ پتا نہیں اتنی گرمیوں میں کہاں مارے مارے پھرے تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچّے اپنے لال لال منھ کھولے دانہ کھا رہے تھے اور خوش ہو کر چُوں چُوں چُوں کر رہے تھے۔ اسلم اور فرخ جُوں ہی آگے بڑھے دونوں چڑیاں اُڑ کر باہر چلی گئیں۔

دونوں بھائی شریر تھے، گاؤں آ کر اُن کی شرارتیں اور بڑھ گئی تھیں۔ دونوں سمجھتے تھے کہ چھٹیاں دراصل شرارتوں کے لیے ہی ملتی ہیں۔

اسلم نے فرخ سے کہا، "آؤ چڑیا کے بچّے پکڑتے ہیں، ہم خود انھیں اچھی اچھی چیزیں کھلائیں گے یوں یہ جلدی سے بڑے بھی ہو جائیں گے اور پھر ہم انھیں شہر لے جا کر اپنے دوستوں کو دکھائیں گے۔" فرخ بھی تیار ہو گیا اور اسلم نے قریب رکھی ہوئی تپائی پر چڑھ کر بچّوں کو پکڑ لیا۔ دونوں ننھی جانیں زور زور سے چیخنے لگیں۔ ان کی آوازیں سُن کر ان کے ماں باپ بھی کمرے میں اڑ کر پہنچ گئے۔ اور لگے شور مچانے۔ یہ دیکھ کر اسلم گھبرا گیا اور فرخ کے ہاتھ میں دونوں بچّے تھما کر تپائی پر سے جو کودا تو اس کا پیر نیچے رکھے ہوئے تسلے پر پڑا جس سے بڑے زور کی آواز ہوئی۔ آواز سن کر سب جاگ پڑے۔ ماموں جان نے اُٹھ کر دیکھا تو دونوں غائب تھے۔ وہ سب کمرے میں آئے تو دیکھا کہ اسلم اور فرخ چڑیوں کے بچّے پکڑے نظریں نیچی کیے کھڑے ہیں۔ ماموں جان کو دیکھ کر تو جان ہی نکل گئی تھی۔ ماموں جان تھوڑی دیر چُپ رہے، لیکن پھر بڑی محبت سے بولے،

"بیٹے، تم سوئے نہیں؟ اچھا خیر ادھر آؤ۔" پھر اسلم سے پوچھا، "تمھیں چوٹ تو نہیں

آئی؟" اسلم نے جواب دیا، "زیادہ نہیں ماموں جان، میں اور فرخ ان بچوں کو پالیں گے۔ ہم انھیں شہر لے جائیں گے۔"

ماموں جان بولے، "اچھا انھیں میز پر رکھ دو۔" دونوں چڑیاں بڑے کمرے میں چکر لگا لگا کر شور مچا رہی تھیں۔ جب وہ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے تو ماموں جان نے کہا، "تم سمجھے یہ دونوں چڑیاں کیوں بے چین ہیں؟ یہ اُن کے ماں باپ ہیں۔ انھیں اپنے بچوں سے ویسا ہی پیار ہے جیسا تمھارے ماں باپ کو تم دونوں سے ہے، تم نے کبھی یہ سوچا کہ جب تمھیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ کتنے بے چین ہو جاتے ہیں۔ ابھی کل ہی تمھارے ابّا نے اپنے خط میں کیا لکھا تھا؟ یہی نا کہ اُنھیں تم دونوں کی یاد بہت آتی ہے۔ پھر انھوں نے یہ بھی تو لکھا تھا کہ تم دونوں کوئی شرارت نہ کرنا۔ کہیں چوٹ وغیرہ نہ لگ جائے۔ اب تم خود ہی سوچو ان بچوں کو ان کے ماں باپ سے جھین کر تم اُنھیں تکلیف پہنچاؤ گے یا نہیں؟ پھر ان بچوں کو اپنے ماں باپ بھی تو یاد آئیں گے جیسے تمھیں اپنے ابّو امّی یاد آتے ہیں۔ یہ سُن کر دونوں کے آنکھوں میں آنسو آ گئے اور دونوں کے سر ندامت سے جُھک گئے۔

ماموں جان نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا،

"ہمیں سب کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرنا چاہیئے، ہمارے نبیؐ نے تو جانوروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ تم نے ان صحابیؓ کا قصہ تو ضرور سنا ہوگا جنھوں نے ایک چڑیا کے بچے پکڑ لیے تھے۔"

اسلم اور فرخ نے کہا، "جی نہیں، آپ وہ قصہ سنا دیجئے۔"

ماموں جان بولے، "ہاں ضرور سنو! پہلے ذرا کچھ ٹھنڈا پی لیں۔" یہ کہہ کر انھوں نے نوکر سے لسّی لانے کو کہا اور بولے:

"ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے جھاڑی میں سے چوں چوں کی آواز سنی۔ وہ جھاڑی کے اندر گھسے تو دیکھا ایک گھونسلے میں چڑیا کے دو ننھے ننھے بچے بیٹھے ہوئے ہیں۔ انھوں نے ان دونوں کو اپنی چادر میں چھپا لیا اور چل پڑے۔ اتنے میں ان کی ماں وہاں پہنچ گئی۔ بچوّں کی آواز سن کر وہ اُن صحابیؓ پر منڈلانے لگی۔ وہ صحابیؓ وہاں سے سیدھے ہمارے پیارے رسولؐ کی خدمت میں پہنچے۔ حضورؐ نے ان بچوّں کو دیکھا تو صحابیؓ سے پوچھا کہ تم یہ کہاں سے لا رہے ہو؟ ان صحابیؓ نے پورا واقعہ سنا دیا ــــ تم جانتے ہو ہمارے حضورؐ تو رحمت ہی رحمت تھے۔ آپؐ کو بھلا یہ بات کیسے اچھی لگتی۔ ان صحابیؓ سے فرمایا، "ان کے ماں باپ کو ستانا مناسب نہیں۔ انھیں فوراً ان کے گھونسلے میں چھوڑ آؤ۔" صحابی نے آپ کی ہدایت پر عمل کیا اور آئندہ کسی جانور کے بچےّ کو نہ پکڑنے کا عہد کر لیا۔

اب بتاؤ تم دونوں کا کیا فیصلہ ہے؟"

اسلم اور فرخ جھٹ سے بولے، "ماموں جان، ہم آئندہ کبھی کسی کو نہیں ستائیں گے۔" یہ کہہ کر دونوں نے چڑیا کے بچوں کو میز پر سے اُٹھا لیا اور برابر والے کمرے میں گھس گئے۔ اتنے میں نوکر لسّی لے آیا۔ ماموں جان بولے، "پہلے لسّی پی لو۔" لیکن دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا، "نہیں، پہلے ہم ان بچوّں کو گھونسلے میں پہنچائیں گے پھر لسّی پئیں گے۔"

---

بزمِ نونہال کے لیے خط مختصر اور دل چسپ لکھنے کی کوشش کیجیے، تاکہ زیادہ سے زیادہ نونہالوں کے خط شائع ہوسکیں۔ خط اس انداز سے ارسال کیجیے کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ ۱۰ (دس) تاریخ تک موصول ہوجائے۔ خط کے کاغذ پر اپنے نام اور پتے کے علاوہ کچھ اور نہ لکھیے اور نہ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے پرزے استعمال کیجیے۔ (ادارہ)

---

# شہید

شمالی افریقہ کی لوک کہانی

فرخندہ لودھی

سعیدی الحلوئی کی کہانی شمالی افریقہ میں بہت مشہور ہے۔ سعیدی الحلوئی تیرھویں صدی عیسوی میں اسپین کے ایک شہر سیولی میں پیدا ہوا۔ اس زمانے میں اسپین پر عربوں کی حکومت تھی اور اسپین کو اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ سعیدی کا تعلق ایک باعزت اور امیر خاندان سے تھا۔ جب وہ سیولی کا قاضی بنا تو اسے بڑی ذمے داری اور عزت کا مقام حاصل ہوا۔

ایک بار اُسے گھر بار چھوڑ کر اللہ کے راستے میں نکلنے کا خیال آیا۔ اس خیال کے آتے ہی اُس نے شہر کے قاضی جیسا اہم عہدہ چھوڑ دیا۔ کوئی وجہ بتائے بغیر ایک دم استعفا دے کر دوستوں اور گھر والوں کو خدا حافظ کہا۔ ریشمی اور نرم لباس اُتار کر بھکاریوں جیسے پھٹے پُرانے کپڑے پہنے، ہاتھ میں حاجیوں والا عصا پکڑا اور سفر پر روانہ ہوگیا۔ سمندر تک پیدل گیا۔ وہاں ایک بحری جہاز افریقہ جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ اس میں سوار ہوگیا۔ اب جہاں خدا لے جائے، اس کی رضا، اس کی خوشی۔

آخر ایک دِن جہاز الجیریا کے شہر طلمسن میں جاکر لنگر انداز ہوا۔ سعیدی اِس شہر میں اُتر گیا۔ لوگوں نے پہلے پہل تو سعیدی کا حلیہ دیکھ کر مذاق اُڑایا۔ بچے بالے گلیوں اور بازاروں میں اس کے پیچھے فقرے کستے پھرتے۔ اُن کے خیال میں سعیدی پاگل تھا لیکن جب لوگوں نے سعیدی سے بات چیت کی تو پتا چلا کہ معاملہ بالکل اُلٹ ہے، سعیدی نہایت دانا اور عالِم ہے۔ اب لوگ اس کے گرد جمع ہونے اور اس سے علم سیکھنے لگے۔ سعیدی انھیں قرآن پڑھاتا اور سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتاتا، انسان کی زندگی پر روشنی ڈالتا، آخرت کا مطلب سمجھاتا۔ اسلام کی حقیقت واضح کرتا۔ ہر قسم کی دینی اور اخلاقی باتوں سے اُنھیں آگاہ کرتا۔ اس کے بیان میں بڑی روانی اور مٹھاس ہوتی تھی۔ دُور دُور سے لوگ اس کا درس سننے کھنچے چلے آتے تھے۔ شہر کے عالِم اور اُستاد اُس سے جلنے لگے۔

دوسرے قصبوں اور شہروں کے دانش ور بھی اس کے ساتھ بحث کے لیے آنے لگے۔ وہ سب کو تسلی بخش جواب دیتا۔ جلد ہی لوگوں نے اُسے وَلی سمجھنا شروع کیا، کیوں کہ اس کی ہر بات اور ہر کام اللہ کی مرضی کے مطابق تھا۔ بعض لوگ تو یہ

سمجھنے لگے کہ جنّات اور روحیں سعیدی کے قبضے میں ہیں اور وہ اپنی مرضی کے مطابق اُن سے کام لے سکتا ہے۔

ایک دن الجیریا کے بادشاہ نے اپنے وزیرِ اعظم سے کہا، "میں بہت دنوں سے ایک اجنبی عالم کے بارے میں بہت کچھ سُن رہا ہوں، وہ راستوں پر وعظ کرتا ہے اور لوگ اُس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں، اُس کا نام سعید الحلوی ہے، میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر اُسے میرے سامنے پیش کرو۔"

سعیدی حسبِ معمول بازار میں وعظ کر رہا تھا۔ اس کے گرد لوگوں کی بھیڑ تھی۔

وزیر اعظم نے بادشاہ کا حکم اُسے سنایا اور ساتھ لے کر بادشاہ کے سامنے پیش ہوا۔ بادشاہ نے کہا، "جو کچھ تم جانتے ہو، مجھے بھی بتاؤ۔"

سعیدی ایک گھنٹے تک دُنیا اور آخرت کے بارے میں بتاتا رہا۔ بادشاہ سر ہلا ہلا کر اس کا وعظ سُنتا رہا جیسے اس پر جادو ہو گیا ہو۔ سعیدی تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوا تو بادشاہ نے کہا،

"اے بزرگ! شکریہ، میں نے آج تک کسی انسان کو علم کی ایسی اعلا باتیں کرتے نہیں سُنا۔ آپ آج سے میرے دو بیٹوں کے اُستاد ہیں۔"

سعیدی نے جواب دیا، "بہت بہتر، لیکن اس شرط پر کہ شہزادے میرے جھونپڑے میں آکر درس لیں، میں محل میں ہرگز نہیں رہوں گا۔"

بادشاہ کے لیے یہ شرط نئی اور عجیب تھی۔ شہزادوں کے اُستاد ہمیشہ محلوں میں رہ کر پڑھاتے تھے تاکہ جب شہزادوں کا دل چاہے وہ اُستاد کو بلالیں اور پڑھیں لیکن یہاں معاملہ اُلٹ تھا۔ تاہم بادشاہ نے شرط مان لی۔ وہ سعیدی کے علم سے بے حد متاثر تھا۔

سعیدی نے شہزادوں کو پڑھانا شروع کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں شہزادوں میں تبدیلی آگئی۔ پہلے استادوں نے شہزادوں کو بگاڑ رکھا تھا۔ وہ اُستاد کی عزت نہیں کرتے تھے۔ بات بات میں اُستاد کا مذاق اُڑاتے تھے۔ اُستاد شہزادوں کی مرضی کے مطابق پڑھاتے تھے۔ اس طرح شہزادوں کو علم حاصل کرنے سے بالکل دِل چسپی نہ رہی تھی۔ نئے اُستاد نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ تعلیم کا شوق دلایا۔ چند ہی دنوں میں وہ مشکل سے مشکل سبق کو دل چسپی سے پڑھنے لگے۔ رفتہ رفتہ شوق کا یہ عالم ہو گیا کہ پڑھائی لکھائی سے ان کا جی ہی نہیں بھرتا تھا اور دیکھتے دیکھتے وہ اپنے ہم عمر لڑکوں سے کہیں زیادہ لائق ہو گئے۔

بادشاہ بے حد خوش تھا۔ اُس کے۔ دونوں بچوں کی تعلیم و تربیت بہترین طور پر ہو رہی تھی مگر وزیر کا حسد کے مارے بُرا حال تھا۔ بادشاہ وزیر کے سامنے دل کھول کر سعیدی کی تعریف کرتا۔ اور وزیر کو خطرہ محسوس ہوتا کہ بادشاہ سعیدی کو علم اور دانائی کی وجہ سے کہیں اپنا وزیر نہ بنالے۔ آخر وزیر نے دِل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ سعیدی کو اپنے راستے سے ہٹانا ضروری ہے۔

وہ بادشاہ کے دل میں سعیدی کے لیے نفرت پیدا کرنے کے بہانے ڈھونڈنے لگا۔ جب بھی بادشاہ سعیدی الحلوئی کی تعریف میں کچھ کہتا تو وزیر ہوشیاری سے جواب دیتا۔

"جی۔ بالکل ــ الحلوی جیسا قابل اُستاد میں نے آج تک نہیں دیکھا، لیکن یہ عقل خدا کی دین ہے یا شیطان کی؟ یہ معلوم ہونا چاہیے۔ کبھی کبھی میں ڈرتا ہوں کہ شہزادے پڑھ لکھ کر اللہ کے بجائے شیطان کے بندے نہ بن جائیں۔"

بادشاہ وزیر کی ایسی باتوں پر دھیان نہ دیتا تھا، پھر بھی اس کے دل میں شک سا پیدا ہوگیا۔

ایک دن شہزادے پڑھ پڑھا کر ذرا جلدی واپس آگئے، محل میں ابھی دوپہر کا کھانا کھایا جارہا تھا۔ شہزادے بھی دستر خوان پر بیٹھ گئے، مگر بہت کم کھایا۔ بادشاہ دیکھتا رہا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے بیٹوں کے سامنے بہترین بھنا ہوا گوشت اور چٹنی رکھی لیکن اُنھوں نے ہاتھ کھینچ لیا جیسے اُنھیں بالکل بھوک نہ ہوں۔

"کیا بات ہے بیٹے! کھانا کیوں نہیں کھاتے؟ بادشاہ نے پوچھا، "بھوک نہیں ہے یا شاہی کھانا پسند نہیں آیا؟"

"جی۔ جی۔ ہمیں بھوک نہیں ہے۔" دونوں شہزادے ہکلا کر رہ گئے۔

"اچھا ــ بھوک نہیں، لیکن کیوں؟"

"ابا جان، میں بتاتا ہوں ــ" بڑے لڑکے نے حوصلہ کرکے بتانا شروع کیا،

"استاد کے ہاں ہمیں ایسا مزے کا کھانا ملتا ہے کہ بس طبیعت سیر ہوجاتی ہے۔ شاہی محل کے کھانے اس کے سامنے کچھ بھی نہیں۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟" بادشاہ نے دل چسپی لیتے ہوئے پوچھا، "میرا باورچی ملک کا سب سے اچھا باورچی ہے۔ ہمارے مطبخ میں صحت مند مرغیاں اور بکرے ذبح کرکے پکائے جاتے ہیں۔ تازہ ترکاریاں اور پھل ہمیں حاصل ہیں۔ دنیا بھر کی نعمتیں شاہی دستر خوان پر موجود ہوتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں ایک غریب اُستاد جو بلاشبہ نہایت دانا عالم ہے، تمھیں ایسا کونسا کھانا کھلا دیتا ہے جو ہر نعمت سے بہتر ہے؟"

چھوٹے شہزادے نے چیخ کر کہا، "ہمارا استاد عظیم ہے ابا جان! انھیں گوشت، ترکاری یا کھجوریں خریدنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ اپنی شہادت کی انگلی سے دیوار کو کھرچتے ہیں۔ تھوڑا سا پلستر اُکھڑ کر ان کے ہاتھ میں آجاتا ہے۔ یہ پلستر ہم کھاتے ہیں۔ اس کا مزہ تازہ شہد اور کھجوروں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ درس کے خاتمے پر ہم یہی نعمت کھاتے ہیں۔"

بڑے بھائی نے کہا،

"مزے کی بات یہ ہے کہ پلستر کے یہ ٹکڑے لذیذ بھی ہوتے ہیں اور ان کے کھاتے ہی ہم میں نئی طاقت آجاتی ہے۔ تھکن ختم ہو جاتی ہے اور ہر سبق پہلے سے زیادہ دل چسپ ہو جاتا ہے ۔ ابا جان! اگر میرے بس میں ہو تو میں دُنیا کے عام کھانے کبھی چھوؤں بھی نہیں۔"

اُس وقت تو بادشاہ خاموش رہا، لیکن جب لڑکے چلے گئے تو اُس نے اپنے وزیر سے پوچھا،

"تمھاری رائے اس معاملے میں کیا ہے؟"

وزیر مُدّت سے اِسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا، فوراً بولا،

"بادشاہ سلامت! جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔ یہ شیطانی کام ہے۔ مجھے اسی بات کا ڈر تھا کہ۔ یقین کیجیے شہزادے پوری طرح شیطان کے ہاتھوں میں چلے گئے ہیں۔"

بادشاہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا،

"یہ اُستاد یا تو ولی ہے یا اِس کا تعلق کسی شیطانی ٹولے سے ہے۔ یہ آدمی نہیں ہو سکتا۔" وزیر نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کہا،

"الحلوئی ولی ہرگز نہیں عالی جاہ! اگر ولی ہوتا تو آپ کے ساتھ محل میں رہنے سے انکار نہ کرتا۔ ولی پلستر کے ٹکڑوں کو مزے دار کھانوں میں تبدیل نہیں کرتے۔ یہ سب شیطانی کرتب ہیں۔"

بادشاہ نے وزیر کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا، "واقعی جادوگری ہے، لیکن جادو تو ہمیشہ بُرائی کے لیے کیا جاتا ہے۔ میرے بیٹے روز بروز مضبوط اور ذہین ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ حیرت کی بات ہے۔"

"بادشاہ سلامت! یہ کالا جادو ہے، میں قسم کھا کر کہتا ہوں، سعیدی شیطان نہیں تو

شیطان کا چیلا ضرور ہے، ایسا نہ ہو تو آپ میرا سر اُڑا دیں۔ آپ کے بیٹے ایک نہ ایک دن تکلیف اُٹھائیں گے۔" وزیر اپنی بات پر اَڑا رہا۔

"میرے وزیر! شاید تم ہی سچے ہو۔" بادشاہ نے آہ بھرتے ہوئے کہا، "ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اس سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کیا جائے۔"

بادشاہ نے جونہی فیصلہ سُنایا وزیر نے فوراً اس پر عمل کرنے کی ٹھانی۔ خادموں کو حکم دیا کہ سعید الحلوی کو گرفتار کر کے شہر کی فصیل سے باہر لے جایا جائے اور جتنی جلدی ہو سکے اُس کا سر قلم کر دیا جائے۔ وزیر نے یہ کام اتنی تیزی سے کروایا کہ بادشاہ کو اپنے فیصلے پر دوبارہ غور کرنے کی

بھی فرصت نہ ملی۔

وزیر نے سعیدی کی لاش کو شہر کی فصیل سے باہر ہی پڑی رہنے دیا۔ کسی کو دفن کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ مجرموں کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا تھا کہ لاش کو گدھوں، کوؤں اور کتوں کے کھانے کے لیے پڑا رہنے دیا جاتا۔

دوسرے دن جب شام ہوئی تو دربان نے فصیل پر گھوم پھر کر دیکھا اور ہر دروازے کے پاس کھڑے ہو کر آواز دی،

"اندر آجاؤ — فصیل کے اندر آجاؤ — جو بھی باہر ہے اندر آجائے دروازہ بند ہونے لگا ہے۔"

یہ اُس ملک کا معمول تھا۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا۔ دروازہ بند کرنے سے پہلے دربان اعلان کرتے۔ پھر صدر دروازہ بند ہو جاتا اور صبح سے پہلے نہ کھلتا۔ باہر والے باہر ہی رہتے۔

دربان باب علی کے پاس بھی پہنچا اور آواز دی۔ اسی دروازے کے باہر سعیدی کو قتل کیا گیا تھا۔ اب دروازے کے ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی، آس پاس کوئی نہیں تھا جسے اندر آنا ہو۔ تسلی کر لینے کے بعد دربان بھاری دروازے کو بند کرنے لگا تو باہر سے آواز آئی:

"دربان اے دربان!
اب دروازے بند کرو
چین سے اپنے گھر جاؤ
شہر سے باہر کوئی نہیں، کوئی نہیں
الحلوئی کے سوا جو بے گناہ مارا گیا

دربان یہ آواز سُن کر خوف سے کانپ گیا۔ اس نے جلدی سے دروازہ بند کیا۔ جلدی جلدی موٹی کنڈی چڑھائی، تالا لگایا اور سر پر پاؤں رکھ کر گھر کی طرف دوڑا۔ گھر میں اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا۔

دوسرے دن بھی اسی طرح ہوا۔ اُس سے اگلے دن پھر وہی دردناک آواز

سنائی دی۔ اب ہر شام یہ آواز سنائی دیتی تھی۔ شہر کے دوسرے لوگوں نے بھی یہ آواز سُنی پھر آہستہ آہستہ یہ بات عام ہوگئی کہ یہ الحلوئی کی آواز ہے۔ الحلوئی سچ مچ وَلی تھا۔

دو ہفتے گزرنے کے بعد دربان بادشاہ کے محل میں گیا۔ روز مرّہ کے مطابق دَربار لگا ہوا تھا۔ دربان نے بادشاہ کے سامنے حاضر ہونے کی درخواست کی۔ بڑی منت سماجت کے بعد وزیر نے دَربان کو بادشاہ کے سامنے جانے کی اجازت دی۔

دَربان سر سے پیر تک کانپ رہا تھا، "جہاں پناہ ایک معجزہ ہو رہا ہے، دروازے کے باہر ہر شام میں ایک مُردے کی آواز سنتا ہوں، پھر اُس نے پوری کہانی بادشاہ کو کہہ سنائی۔ بادشاہ نے وزیر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اور کہا،

"وزیر! اگر یہ سچ ہے تو تم نے مجھے دھوکا دیا ہے، کیوں کہ یہ آواز الحلوی کے سوا کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ وہ شہید ہونے کے بعد اپنی بے گناہی کی شہادت دے رہا ہے۔ وہ خدا کا سچا بندہ تھا۔" پھر بادشاہ دربان سے مخاطب ہوا،

"تم آج شام دروازے پر میرا انتظار کرنا۔ میں یہ آواز اپنے کانوں سے سنوں گا۔"

اُسی شام بادشاہ اور وزیر اس دروازے پر پہنچے۔ وزیر کو اب راز کھلنے کا یقین ہو چلا تھا اور خوف سے مَرا جا رہا تھا۔ جوں ہی مُوذن نے مغرب کی اذان ختم کی بادشاہ نے دربان کو اشارہ کیا کہ وہ باہر جا کر پکارے۔ دربان نے دروازے کو پکڑ کر بلند آواز سے کہا:

"اندر آجاؤ۔ فصیل کے اندر آجاؤ۔ دروازہ بند ہونے لگا ہے!"

اُسی لمحے خاموشی کو چیرتی ہوئی ایک اُداس آواز سنائی دی:

"دربان! اے دربان!
اب دروازے بند کرو
چین سے اپنے گھر جاؤ
شہر سے باہر کوئی نہیں، کوئی نہیں
الحلوی کے سوا جو بے گناہ مارا گیا

"بس بس، میں نے سُن لیا۔" بادشاہ نے تڑپ کر کہا، "یہ وہی ہے۔"

"نہیں، یہ وہ نہیں ہے۔" وزیر کی آواز خوف سے کانپ رہی تھی، "سعید الحلوی تو مر چکا۔ اب کہاں؟"

"کچھ بھی کہو، یہ اسی کی آواز ہے جو ہمیں پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ تم نے اسے بے گناہ مروا دیا۔" بادشاہ نے سختی سے جواب دیا۔

"نہیں، میں کچھ نہیں جانتا تھا، میں کچھ نہیں جانتا تھا۔" وزیر بادشاہ کے قدموں میں گر کر گڑگڑانے لگا۔

"ہاں — تم اس لیے نہیں جانتے تھے کہ حسد نے تمھیں اندھا کر دیا تھا۔"

بادشاہ کے دل میں

اب بالکل رحم نہ تھا، اس نے غصّے سے کہا،

"اب انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ تمہارے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ تمھاری آواز موت کے بعد کسی کو سنائی نہ دے گی۔"

پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ وزیر کا سر قلم کر دیا جائے۔ بادشاہ کے حکم کی تعمیل فوراً کی گئی۔ اس کے بعد سعیدی الحلوی کی آواز کبھی سنائی نہیں دی۔ بادشاہ نے اُس جگہ جہاں الحلوی کو قتل کیا گیا تھا ایک شاندار مقبرہ بنوایا جو آج تک موجود ہے۔

اس واقعے کو چھ سات سو سال گزر چکے تھے، لیکن سعیدی کی یاد لوگوں کے دلوں موجود ہے۔ طلمسن کے رہنے والوں کا خیال ہے کہ ولی اب بھی معجزے دکھاتا ہے۔ وہ اندھوں کو بینائی دے سکتا ہے۔ اس کے مقبرے پر ہر سال عُرس ہوتا ہے۔ لوگ زیارت کے لیے آتے ہیں۔ شاعر آج بھی اس کی کہانی نظموں میں بیان کرتے ہیں۔ خاص طور پر وہ الفاظ جو وہ ہر شام دربان سے کہا کرتا تھا:

دربان اے دربان!
اب دروازے بند کرو
چین سے اپنے گھر جاؤ
شہر سے باہر کوئی نہیں، کوئی نہیں
الحلوی کے سوا،
اللہ کا دروازہ کھلا ہے، سب کے لیے کھلا ہے۔

ایک دفعہ امیر اسمٰعیل بن عباد اپنے درباریوں اور ساتھیوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ ایک شخص نے برتن سے لقمہ اُٹھایا، لقمے میں بال تھا۔ امیر نے دیکھ لیا اور اُس شخص سے کہا، "بال کو لقمے سے نکال دو۔"

اُس شخص نے لقمہ ہاتھ سے رکھا اور اُٹھ کر چلا گیا۔ رئیس نے اس شخص کو واپس بُلانے کا حکم دیا۔ جب وہ آیا تو اس نے اُس سے جانے کی وجہ پوچھی۔ اس شخص نے جواب دیا، "اُس شخص کا کھانا کیا کھاؤں جو میرے لقمے کو دیکھتا ہے اور اس میں بال تک کو تاڑ لیتا ہے۔" رئیس یہ سُن کر بہت شرمندہ ہُوا۔

# اخبارِ نونہال

## مشینی زبان

رُوسی سائنس دانوں نے ایک ایسی الیکٹرونک مشین ایجاد کی ہے جو طلبہ کو لاطینی، انگریزی اور فرانسیسی زبان سکھا سکتی ہے۔ یہ مشین طلبہ کو ان زبانوں کے بارے میں مختلف معلومات فراہم کرنے کے علاوہ ان کا امتحان بھی لے سکتی ہے۔

مرسلہ: محمد سلیم ملک، میرپور خاص

## بولنے والے بم

گزشتہ دنوں یورپ کے کئی شہروں، روم، میلان اور نیپلز کی جیلوں میں ایک خاص قسم کے بم پھٹے، جن کے پھٹتے ہی آوازیں بلند ہوئیں "قیدیو! بغاوت کر دو"، "حراست سے آزادی پاؤ"، وغیرہ۔ بہت سے قیدی اس شور سے شہ پاکر آزاد ہو گئے۔ بعد میں تحقیقات سے پتا چلا کہ ان بموں کے ساتھ ٹیپ ریکارڈروں اور اسپیکروں کا تعلق تھا اور ان کے پھٹتے ہی آوازیں آنے لگیں۔

مرسلہ: قاضی محمد علی کوثر، کراچی

## بال جیسے پتے

آسٹریلیا میں ایک ایسا درخت پایا جاتا ہے جس کے پتے انسانی بال سے مشابہ ہوتے ہیں۔ اسے وہاں "ہیر ٹری" کہتے ہیں ——— مرسلہ: معین فخر، معین ہمدانی، کراچی

## چھتری چیونٹی

گرمیوں میں آپ نے لوگوں کو خاص طور پر خواتین کو سر پر چھتری تانے دیکھا ہوگا، لیکن آپ نے جانوروں کی دُنیا میں چھتری کا استعمال سنا ہوگا اور نہ دیکھا ہوگا۔ امریکا کے گرم یا استوائی علاقوں میں چیونٹیوں کی ایک ایسی قسم بھی پائی جاتی ہے جو چھتری لگائے چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ اور دیکھنے میں عجیب و غریب نظر آتی ہے۔ چھتری والی یہ چیونٹیاں جنھیں "ساؤبا" کہا جاتا ہے اچھی خاصی لمبی ہوتی ہیں۔ کام پر روانہ ہوتے وقت ان کے سروں پر کوئی سایہ نہیں ہوتا، لیکن اپنے گھروں کو لوٹتے وقت یہ چیونٹیاں جن کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ درختوں کی پتیوں کو اپنے منھ میں یوں اُٹھائے چلتی ہیں گویا دُھوپ سے بچنے کے لیے انھیں چھتری کے طور پر استعمال کر رہی ہوں۔ دراصل یہ پتے ان کی غذا کی تیاری میں کام آتے ہیں۔ انھیں یہ چیونٹیاں اپنی بلوں کے اندر جمع کر کے سڑاتی ہیں۔ اس کی وجہ سے ان کے اوپر جو پھپھوندی جم جاتی ہے۔ اسے کھا کر یہ زندہ رہتی ہیں۔

## ۷۲ برس میں کنویں کی کھُدائی

مغربی راجستھان کے ضلع باڑمیر میں ۷۲ سال کی لگاتار جدّوجہد کے بعد ایک کنویں سے پانی برآمد ہوگیا، جھیلون گاؤں کی تین نسلوں سے اس کنویں کی کھدائی جاری تھی۔ اِس کنویں کی کھُدائی ۱۸۹۹ء میں سابق راجا نے شروع کرائی تھی۔ اس گاؤں کے باشندوں کو ۳۲۴ فٹ کھدائی کرنا تھی۔ اس میں ۲۰۰ فیٹ گہری چٹانیں تھیں لیکن انھوں نے ہمّت نہ ہاری ہے اور بالآخر ۳۵۴ فٹ کھدائی کے بعد پانی مل گیا۔

مرسلہ: اظفر قیوم خان غوری، کراچی

## مصنوعی زبان

دو بھارتی سائنس دانوں نے مصنوعی زبان تیار کر لی ہے۔ یہ زبان ایسے مریضوں میں لگائی جاسکتی ہے جن کی زبان سرطان کی وجہ سے کاٹ دی جاتی ہے۔ اس زبان کو حلق سے نیچے اُتارا جاسکے گا اور وہ اس طرح بولنے کا کام انجام دے سکے گی۔

مرسلہ: ابوالاجلال، کراچی

# اچھّی باتیں

قمر صدّیقی

آؤ بتائیں کام کی باتیں
راحت کی آرام کی باتیں
اچھّے اچھے بچّے ہو تم!
قول کے اپنے سچّے ہو تم!
اچھّے اچھّے کام کرو تم
روشن اپنا نام کرو تم
صبح سویرے اُٹھنا سیکھو
سُست رَوی سے بچنا سیکھو
اپنے خدا کو یاد کرو تم
دَم جو بھرو تو اُس کا بھرو تم
جب بھی ڈرنا اُس سے ڈرنا
اور کسی کا فکر نہ کرنا
خوب لکھو تم، خوب پڑھو تم
جلدی جلدی آگے بڑھو تم
اپنے بڑوں کی عزت کرنا
پاکستان کی خدمت کرنا
سچ سے اپنے دل کو لگانا
جھوٹ کے ہرگز پاس نہ جانا

یہ ہیں پیاری پیاری باتیں
رکھنا یاد ہماری باتیں

# جاگو جگاؤ

## ہمدرد انسائیکلوپیڈیا
## نونہالانِ وطن کے لیے

پیارے بچو! جاگو جگاؤ۔ علم حاصل کرو اور علم کی شمع ہاتھ میں لے کر دوسروں تک علم کی روشنی پہنچاؤ۔ علم حاصل کرنا اور دوسروں تک علم کی روشنی پہنچانا بڑا مقدس فریضہ ہے ——— حکیم محمد سعید

س : میں نے کہیں پڑھا تھا کہ شمالی منجمد علاقوں میں اونٹ کی طرح کا ایک جانور ہوتا ہے جس کو "رین ڈیر" کہتے ہیں۔ اس کے متعلق ہمیں کچھ اور بتائیے۔

سلیم شاہد، کراچی

ج : افریقہ اور ایشیا کے ریگستانوں میں رہنے والے قبائل کی زندگی کا انحصار بڑی حد تک اُونٹوں پر ہوتا ہے۔ اونٹ باربرداری کے علاوہ گوشت اور دودھ حاصل کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ اس کے بالوں سے کمبل اور کپڑا اور چمڑے سے پانی رکھنے کی پکھالیں بنائی جاتی ہیں۔ اسی طرح لیپ لینڈ کے باشندوں اور شمالی سائبیریا کے قبائل اور اسکیموؤں کی زندگی کا انحصار رین ڈیر (REINDEER) پر ہے۔ رین ڈیر باربرداری کے علاوہ برف پر کھینچے جانے والی بغیر پہیوں کی گاڑیاں بھی کھینچتے ہیں۔ رین ڈیر کا دودھ گائے کے دُودھ سے چار گنی زیادہ غذائیت اور چکنائی رکھتا ہے۔ اس کا گوشت ہرن کے گوشت کی طرح مزے دار ہوتا ہے۔ اس کے چمڑے سے شمالی منجمد علاقوں کے لوگ اپنے کُرتے پاجامے، کنٹوپ اور دستانے بناتے ہیں۔ ان کی نسیں دباغت کے عمل سے نرم کی جاتی ہیں اور ان سے نہایت مضبوط رسّیاں اور کپڑے سینے کے لیے باریک دھاگے بنائے جاتے ہیں۔ اس کے معدے کو بھی دباغت کے عمل سے پانی یا سامان وغیرہ رکھنے کے لیے نرم تھیلوں میں تبدیل کر لیا جاتا ہے۔ رین ڈیر کے خون کا شوربا بنا کر پیا جاتا ہے۔ اس کی ہڈیوں سے چاقو اور دوسرے نوک دار اوزار تیار کیے جاتے ہیں۔ اور سینگوں کو سخت برف کھودنے یا توڑنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان سب باتوں کی وجہ سے رین ڈیر کو شمالی منجمد علاقوں کا اونٹ کہا جاتا ہے۔ اس کی تصویر انسائیکلو پیڈیا کے سرورق پر دی جا رہی ہے۔

س : براہِ کرم بتائیں وائرلیس کیسے کام کرتا ہے؟

مغیث الدین، میرپور خاص

ج : غالباً آپ کی مُراد وائرلیس لہروں اور ان کی مدد سے کام کرنے والی تمام ایجادات سے ہے۔ وائرلیس لہریں قدرتی طور پر پائی جاتی ہیں یعنی انھیں جگانا پڑتا ہے۔ یہ کام ہم مشینوں سے لیتے ہیں۔ آپ نے ریڈیو اسٹیشنوں کے ٹرانسمیٹر تو دیکھے ہوں گے۔ اس کا مطلب ہی ہے "بھیجنے والا" ٹرانسمیٹر سے تحریک ہوتی ہے اور وائرلیس یا برقی مقناطیسی لہریں

ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی زبردست رفتار سے چاروں طرف پھیل جاتی ہیں۔ دُنیا میں یہ سب سے بڑی رفتار ہے۔ چوں کہ ان میں تار استعمال نہیں کئے جاتے اس لیے وہ بے تار یا وائرلیس کہلاتی ہیں۔

یوں تو اب وائرلیس سے بہت سے کام لیے جا رہے ہیں لیکن اُن کا پہلا استعمال پیغام رسانی کے لیے کیا گیا ہے اور اب بھی کیا جاتا ہے۔ عوام ریڈیو اور ٹیلے وژن کے ذریعے انھیں زیادہ پہچانتے ہیں، کیوں کہ یہ ایجادات تفریح کا سامان فراہم کرتی ہیں۔ ہم مختصر طور پر ریڈیو پروگراموں کے متعلق آپ کو بتاتے ہیں کہ وہ وائرلیس کے ذریعے آپ تک کس طرح آتے ہیں۔ ریڈیو اسٹیشن کے اسٹوڈیو میں ہونے والا یہ پروگرام اور اس کی آوازیں مائیکروفون کے ذریعے برقی لہروں میں تبدیل ہوتی ہیں۔ ٹرانسمیٹر وائرلیس کے ذریعے ایک خاص فریکوئنسی پر انھیں نشر کر دیتا ہے اور جب وہ آپ کے ایریل سے ٹکرا کر آپ کے ریڈیو سیٹ میں داخل ہوتی ہیں تو برعکس نظام کام کرتا ہے یعنی ریڈیو انھیں پھر آواز میں تبدیل کر دیتا ہے اور آپ اپنا پسندیدہ پروگرام سُن لیتے ہیں۔

س: نوبیل پرائز کیا ہے؟

محمد اعجاز اللہ، شاہ کوٹ

ج: نوبیل پرائز ایک اعلا اور قابلِ قدر انعام ہے۔ ایلفرڈ نوبیل انیسویں صدی کا ایک سائنس دان تھا جو سویڈن کا رہنے والا تھا۔ وہ کیمیا داں اور انجنیر کی حیثیت سے مشہور ہوا اور بالعموم اُسے ڈائنامیٹ کا موجد سمجھا جاتا ہے جو پہاڑ اُڑانے اور سُرنگیں بنانے کے کام آتا ہے۔ اس ایجاد اور تیل کے چشموں سے اس سائنس داں نے بے اندازہ دولت کمائی۔ اس نے زندگی بھر شادی نہیں کی بلکہ سائنسی تحقیقات میں گُم رہا۔ اُسے انسانوں سے بڑی محبت تھی۔

ایلفرڈ نوبیل کی وصیت کے مطابق اس کی چھوڑی ہوئی دولت سے ہر سال پانچ انعام دیے جاتے ہیں۔ جو نوبیل پرائز کہلاتے۔ ان انعامات کا سلسلہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۱ء سے شروع ہوا۔ یہ انعامات طبعیات، کیمیا، طب، لٹریچر اور امن کے موضوعات پر دیے جاتے ہیں۔ ہر انعام میں ایک سنہری تمغہ، ایک ڈپلوما جس پر انعام پانے والے کے اعلا کام کا ذکر ہوتا ہے اور بہت بڑی رقم شامل ہوتی ہے۔ اگر کسی ایجاد میں ایک سے زیادہ لوگوں کا حصّہ ہوتا ہے تو انعام کی رقم اُن میں

برابر تقسیم کردی جاتی ہے۔ کسی سال ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی مضمون کا انعام کسی کو بھی نہیں دیا جاتا یا کسی کو اس کا مستحق نہیں سمجھا جاتا۔ اس صورت میں اُس سال کی رقم فنڈ میں جمع کر دی جاتی ہے۔

یہ تمام انعامات دُنیا کی تمام اقوام کے لیے کھُلے ہوتے ہیں، لیکن زیادہ تر اہل مغرب کو ملتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مغرب کے لوگ علم و تحقیق کے میدان میں دوسروں سے آگے ہیں۔ یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ کس کو کس مضمون کا انعام دیا جاتے، اہلِ علم کی انجمنیں بنائی جاتی ہیں اور ان کی متفقہ رائے سے یہ فیصلہ کیا جاتا ہے۔ ہم مشرق کے لوگ بھی صلاحیتوں میں کسی سے کم نہیں ہیں اور محنت کریں تو علم و ادب میں دوسروں سے آگے بڑھ سکتے ہیں۔ آپ بھی کوشش کیجیے۔

س : بیماری کے جراثیم انسان پر کیسے حملہ کرتے ہیں؟ مہربانی کر کے تفصیل سے سمجھائیے۔

(جنید احمد زبیری۔ کراچی)

ج : جراثیم یا بیکٹریا وہ ننھے جان دار ہوتے ہیں جو خُردبین کے بغیر ہمیں نظر نہیں آتے وہ ہمارے سانس یا جلد کے ذریعے ہمارے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں اور ہمارے جسم کے کسی حصّے کو بیمار بنا دیتے ہیں۔ ہمارے جسم میں بہت سے دوست جراثیم بھی موجود ہوتے ہیں جو حملہ آور جراثیم کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ہمیں اس اندرونی جنگ کا پتا بھی نہیں چلتا۔ جب تک ہمارے جسم میں طاقت رہتی ہے یہ دوست جراثیم بیماری کے حملہ آور جراثیم کو ہراتے رہتے ہیں اور ہم تن دُرست رہتے ہیں۔ جب بڑھاپے میں صحت کی طرف سے لاپرواہی برتنے کی وجہ سے ہمارے جسم میں مزاحمت کی قوت باقی نہیں رہتی تو ہم بیمار پڑ جاتے ہیں۔ بعض بیماریوں کا ٹیکا لگوا لینے سے ہم ان کے جراثیم سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ عام جسمانی اور گھریلو صفائی، غذائی احتیاط اور صحت کے بنیادی اصولوں پر عمل کرنے سے بھی ہم بیماریوں کے جراثیم سے بچ سکتے ہیں اور مدّت تک تن درست رہ سکتے۔ بیماریوں کو بہت کچھ ہم خود بُلاتے ہیں۔

## تیر اندازی کا ریکارڈ

ترکی کے سُلطان سلیم سوئم نے ۱۷۹۸ء میں استنبول کے قریب تیر اندازی کی مشق کے دوران ایک تیر ایسا چلایا جو نصف میل یعنی ۲۹۱۶ فٹ کے فاصلے پر جا گرا۔ تیر اندازی کے اس ریکارڈ کو آج تک کسی نے نہیں توڑا ہے۔

مرسلہ: شمیم احمد، کراچی

کہانی : جارج ایلیٹ
ترجمہ : علی اسد

قسط دوم

# سائلس مارنر

بچی کو جب مارنر کھلا پلا چکا تو اُسے گود میں لے کر باہر نکلا۔ برف پر بچی کے قدموں کے نشانات دیکھتا ہوا اس جگہ تک پہنچ گیا جہاں مولی فیرن پڑی ہوئی تھی۔ مارنر نے جھک کر اُسے چھُوا اور بولا "ارے، یہ بے چاری تو بالکل ٹھنڈی ہو چکی ہے! چل بیٹی! دیکھیں شاید تیری ماں کے لیے کوئی مدد دینے والا مل جائے۔" یہ کہہ کر بچی کو گود میں لے کر مارنر سیدھا سُرخ محل پہنچا۔ یہاں گاڈفری کی نظریں نینسی پر جمی ہوئی تھیں، مگر یکبارگی ہر شخص کی نظریں دروازے کی طرف اُٹھ گئیں۔

ایک آدمی بولا "ارے یہ تو مارنر ہے۔" گاڈفری نے بچی کو جو دیکھا تو پریشان ہو کر سوچنے لگا کہ ارے یہ تو میری بچی ہے۔ لوگ مارنر سے پوچھنے لگے کہ اس طرح آنے کا آخر مطلب کیا ہے؟" اس پر مارنر نے کہا "میں ڈاکٹر کی تلاش میں ہوں۔"

لوگوں نے پوچھا "آخر ڈاکٹر کی کیا ضرورت ہو گئی ہے؟"

مارنر نے کہا "ایک عورت راستے میں پڑی ہوئی ہے، شاید وہ مر چکی ہے۔"

یہ سُن کر گاڈفری سوچنے لگا، وہ تو مولی فیرن ہو گی۔

نینسی نے جو سُنا تو اس نے گاڈفری سے پوچھا "یہ کس کی بچی ہے؟"

گاڈفری نے بات بناتے ہوئے کہا "میں .... میں نہیں جانتا۔ کسی غریب عورت کی بچی ہو گی۔" اتنی دیر میں ایک عورت نے بڑھ کر مارنر سے کہا "مسٹر مارنر، بچی کو یہاں چھوڑ دو۔"

یہ سُن کر مارنر بولا "نہیں، نہیں، میں اس کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ میرے پاس آئی ہے، لہٰذا یہ میرا حق ہے کہ میں اسے اپنے پاس رکھوں۔"

یہ سُن کر عورتیں آپس میں کھچڑی پکانے لگیں۔ مارنر کے ساتھ ڈاکٹر کمبل جب چلے تو گاڈفری بھی پیچھے پیچھے ساتھ ہو لیا۔ مولی فیرن کو اُٹھا کر مارنر کے گھر پہنچا دیا گیا۔ گاڈفری باہر انتظار کرتا رہا اور سوچتا رہا کہ اگر مولی فیرن واقعی مر گئی ہے تو پھر میں نینسی سے شادی کر سکوں گا اور آئندہ کے تمام خدشات ختم ہو جائیں گے۔ رہ گئی بچی تو اس کی پرورش کا انتظام کر دیا جائے گا۔ اتنے میں ڈاکٹر کمبل باہر آ گئے اور بولے "اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ تو کئی گھنٹوں سے مری پڑی ہے۔"

گاڈفری نے پوچھا "کس طرح کی عورت ہے؟"

ڈاکٹر نے جواب دیا "نوجوان عورت ہے، مگر نہایت نحیف، کپڑے پھٹے پُرانے ہیں مگر انگلی میں شادی کی انگوٹھی پہنی ہوئی ہے۔ بہر حال چلو گاڈفری، اب یہاں رُکنا بے کار ہے۔"

گاڈفری نے کہا "آپ چلئے، میں ذرا مارنر سے بات کر کے آتا ہوں۔"

گاڈفری جب مارنر کے گھر میں داخل ہوا تو اس کے دل کی عجیب کیفیت تھی۔ ایک طرف تو اسے یہ خوشی تھی کہ بچی اس کو پہچان نہ سکی مگر دوسری طرف اسے اس بات کا افسوس تھا کہ وہ اس پر اپنا حق نہیں جتا سکتا تھا۔ گاڈفری نے مارنر سے پوچھا "اس بچی کو تم

کل یتیم خانے پہنچا دو گے نا؟"

مارنر بچی کو گود میں لیے بیٹھا تھا۔ یہ سنتے ہی وہ بھڑک اٹھا اور بولا "یہ کون کہتا ہے؟ کیا میرے ساتھ زبردستی کی جائے گی؟"

گاڈفری نے کہا "نہیں، بات دراصل یہ ہے کہ تم چوں کہ تنہا آدمی ہو، اس لیے تم خود ہی شاید اسے اپنے پاس رکھنا پسند نہ کرو۔"

مارنر بولا "گاڈفری صاحب، میں دُنیا میں بالکل اکیلا ہوں اور یہ بچی بھی بالکل اکیلی رہ گئی ہے۔ میرا سارا رُپیہ بھی غائب ہو چکا ہے۔ خدا جانے کدھر چلا گیا۔ اسی طرح خدا جانے یہ بچی میرے پاس کہاں سے آ گئی۔"

ان الفاظ کو سُن کر گاڈفری مارنر کے گھر سے روانہ ہو گیا۔ اس وقت اس کے دل کی عجیب حالت تھی۔ ایک طرف تو بچی کے لیے خون جوش مار رہا تھا اور دوسری طرف نیلسی کی محبت دامن گیر تھی۔

مارنر کو بچی کی پرورش کے سلسلے میں یوں تو بہت سی عورتوں نے صلاح مشورے دیے مگر مارنر کے لیے ڈالی ونتھراپ کی صلاح خصوصیت کے ساتھ قابلِ قبول ہوتی تھی۔ ایک دن ڈالی مارنر کے ہاں بیٹھی تھی اور بچی فرش پر کھیل رہی تھی کہ اتنے میں مارنر نے کہا "گاڈفری صاحب ایک اشرفی دے گئے ہیں، تاکہ میں بچی کے لیے کپڑے خرید لوں۔"

یہ سُن کر ڈالی نے کہا "بس صرف ایک جوڑا جوتا خرید لو اور کوئی چیز لانے کی ضرورت نہیں۔ میرے بیٹے آرتھر کے پُرانے کپڑے رکھے ہیں وہی کام آ جائیں گے۔" چناں چہ تھوڑی دیر بعد ڈالی حسبِ وعدہ اپنی گٹھڑی بغل میں دبائے آ گئی اور بولی "مارنر صاحب! اس بات کا خاص خیال رکھنا کہ تم جب اپنے کام میں لگے ہوئے ہو تو بچی کہیں اِدھر اُدھر نہ نکل جائے۔"

مارنر نے کہا "میں ایک لمبی سی ڈوری لے کر اسے اپنے کرسی کے پائے سے باندھ دوں گا۔"

ڈالی جب بچی کی ضروریات پوری کر چکی تو اس کے مستقبل کے بارے میں گفت گو کرنے

لگی۔ کہنے لگی "مارنر صاحب، بچی کے لیے سب سے بڑی نیکی یہ ہوگی کہ تم اسے گرجا ضرور لے جایا کرنا۔"

یہ سُن کر مارنر کا چہرہ زرد پڑ گیا اور اسے ایک نئی فکر دامن گیر ہوگئی۔ وہ بولا "آخر اس کی کیا ضرورت ہے؟"

ڈالی نے حیرت سے پوچھا "ارے مسٹر مارنر، کیا تمھارے ماں باپ نے تم کو عبادت کرنا نہیں سکھایا؟"

مارنر نے کہا "ہاں پہلے میں بھی عبادت کیا کرتا تھا، مگر تم لوگوں کے اور میرے طریقے میں بہت فرق ہے۔ میرا وطن یہاں سے کافی دور ہے، لیکن بیگم ونتھراپ اگر تمھارا خیال ہے کہ بچی کے لیے یہی درست ہے تو میں اسے ضرور گرجا لے جاؤں گا۔"

چناں چہ دوسرے دن بچی کو گرجا لے جایا گیا اور اس کا نام اپی رکھا گیا۔ یہ نام مارنر کی بہن کے نام پر رکھا گیا۔

اسی طرح ۱۶ برس گزر گئے۔ ایک دن گرجا میں جب عبادت ختم ہوگئی تو لوگ باہر جانے لگے۔ گاڈفری اور نینسی کی شادی ہوئے چھ برس گزر چکے تھے۔ عبادت کے بعد پادری نے گاڈفری اور نینسی سے ہاتھ ملایا پھر مارنر سے باتیں کرنے لگے پادری نے کہا "بھائی مارنر اپی تو ماشاء اللہ دن بہ دن خوب صورت ہوتی جارہی ہے۔" یہ سُن کر اپی نے پادری کا شکریہ ادا کیا۔ پھر یہ لوگ وہاں سے روانہ ہوئے۔ راستے میں اپی گاہے گاہے مڑ مڑ کر آران کو دیکھتی جاتی تھی جو آہستہ آہستہ پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا۔ اتنے میں اپی نے مارنر سے کہا، "کاش ہمارے یہاں بھی ایک چھوٹا سا باغیچہ ہوتا اور اس طرح کے پھول ہوتے جیسے کہ مسز ونتھراپ کے ہاں لگے ہیں، مگر اس کے لیے تو بڑی کھدائی کرنا ہوگی، بابا تمھارے لیے تو اتنی محنت مناسب نہیں۔" اس پر آران نے آگے بڑھ کر کہا،

"مارنر صاحب، یہ کام میں کردوں گا۔ دن بھر کے کام سے جب فرصت ملے گی تو یہ کردوں گا۔ میرے لیے تو یہ کھیل ہوگا۔ میں کیس صاحب کے باغ سے کھاد لے آؤں گا۔"

مارنر نے کہا "بیٹے آران مجھے خبر نہ تھی کہ تم بھی یہیں موجود ہو۔ بہر حال اگر تم نے

زمین کھودنے میں میری مدد کی تو پھر ہم لوگ اپی کا باغ جلدی سے تیار کر سکیں گے۔"
یہ سُن کر اپی بولی "باوا، میں تو ہرگز کچھ نہیں کہتی، مگر مسز ونتھراپ نے کہا تھا کہ آران....."
آران نے بات کاٹ کر کہا "میری والدہ کے کہے بغیر بھی میں مارنر صاحب کا کام کرنے کے لیے بخوشی تیار ہوں۔"
جب آران چلا گیا تو اپی نے کہا "باوا، جب اپنا باغیچہ تیار ہو جائے گا تو پھر مجھے کسی چیز کی خواہش نہ رہے گی۔ میں جانتی تھی کہ آران یہ کام کر دے گا۔" مارنر نے کہا "تم بڑی چالاک ہو بیٹی، آران سے کام لینا تمھیں خوب آتا ہے۔" اپی بولی "نہیں، نہیں، وہ تو خود یہی چاہتا تھا۔" مارنر نے مُسکراتے ہوئے "اچھا اچھا، یہی سہی۔ لاؤ اپنی عبادت کی کتاب تو مجھے دے دو ورنہ اس کود پھاند میں تم اس کتاب کو بھی گرا دو گی۔"
کئی روز بعد مارنر اور اپی دریا کے کنارے بیٹھے تھے کہ اتنے میں اپی بولی "باوا، میری اگر شادی ہوئی تو کیا مجھے اپنی ماں کی انگوٹھی پہن کر شادی کرنا ہو گی؟" مارنر نے پوچھا "اپی کیا تم آج کل اسی کے بارے میں سوچتی رہتی ہو؟" اپی نے کہا "ہاں باوا، ایک ہفتہ ہوا آران نے مجھ سے شادی کے بارے میں کہا تھا۔ اس وقت سے مجھے یہ خیال آ رہا ہے۔" یہ سُن کر مارنر فکر مند ہو گیا۔ اسے اپی کی جُدائی کا اندیشہ ہونے لگا، لیکن اُس نے وعدہ کر لیا کہ وہ مسز ونتھراپ سے اس کے بارے میں بات کرے گا۔
گاڈفری اور نینسی کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ ایک روز اتوار کے دن نینسی اپنے گھر میں اکیلی بیٹھی ہوئی تھی کہ اتنے میں ایک خادمہ آ گئی۔ نینسی نے اس سے پوچھا، "تمھارے آقا آ گئے یا نہیں؟"
خادمہ نے کہا "جی نہیں، مگر تمام لوگ ایک طرف بھاگتے چلے جا رہے ہیں۔ خدا کرے سب خیریت ہو۔" یہ سن کر نینسی فکر مند ہو گئی۔
تھوڑی دیر بعد گاڈفری آ گیا۔ نینسی اسے دیکھ کر بولی "شکر ہے کہ تم آ گئے.... میں تو...." مگر گاڈفری کا پریشان چہرہ دیکھ کر وہ چُپ ہو گئی۔ گاڈفری نے کہا "نینسی بڑی

بُری خبر ہے۔ مجھے بڑا شدید صدمہ ہوا ہے، مگر تم کو سب سے زیادہ دُکھ ہوگا۔" نینسی نے گھبرا کر پوچھا "کیا میرے والد؟"

اس کے بعد گاڈفری نے رُک رُک کر بتایا کہ اُس کے گُم شدہ بھائی ڈینسٹن کی لاش سائمس مارنر کے اس رُپے کے ساتھ جو چوری ہوگیا تھا، پتھر کی کان میں پائی گئی ہے۔

اس کے بعد گاڈفری نے وہ راز بھی اِفشا کر دیا جو ۱۶ برس سے اُس کے سینے میں محفوظ تھا۔ یعنی یہ کہ ایپی اس کی اور مولی فیرن کی بیٹی ہے۔ نینسی کے چہرے سے غصّہ ظاہر نہیں ہوا جب وہ بولی تو صرف شدید رنج و غم نمایاں تھا۔ اس نے کہا "گاڈفری، کاش تم نے چھے سال پہلے ہی مجھے بتا دیا ہوتا تو ہم دونوں اس بچی کو یوں لاوارث نہ رہنے دیتے۔"

گاڈفری نے کہا "لیکن تم پھر مجھ سے شادی نہ کرتیں، تمہارے والد کی اور تمہاری خودداری سے مجھے یہ ڈر تھا کہ تم لوگ مجھ سے بات کرنے کے بھی روادار نہ ہوتے"۔

نینسی نے گاڈفری کو یقین دلایا کہ وہ اگر شادی کرتی تو صرف اسی سے کرتی ورنہ پھر کرتی

ہی نہیں۔" گاڈفری پھر نینسی کی خوشامد کرنے لگا کہ اپی کو اپنی اولاد کی طرح رکھے۔ پہلے تو نینسی ذرا ہچکچائی، مگر بعد میں راضی ہوگئی، چناں چہ شام کو یہ دونوں مارنر کے ہاں پہنچے اور بغیر کچھ بتائے یہ کوشش کرنے لگے کہ اپی کو گود دے لیں۔

گاڈفری نے کہا "مارنر، میری اور نینسی کی یہ خواہش ہے کہ اپی کو ہم گود لے لیں۔" یہ سُن کر مارنر نے حیرت سے پوچھا "یہ کیا بات ہے؟" گاڈفری نے کہا "ہم چاہتے ہیں کہ اپی کو اس ماحول سے نکال لیں تاکہ اس کی پرورش اس طور سے ہوسکے جو اس کی ایسی ہونہار لڑکی کے شایانِ شان ہو۔"

سائمس مارنر کچھ دیر تک تو شدت سے کانپتا رہا، پھر بولا "اپی، میری بچی بولو تم کیا چاہتی ہو۔ میں تمھارے راستے میں ہرگز رکاوٹ بننا نہیں چاہتا ـــــ اٹھو اور مسٹر اور مسز کیس کا شکریہ ادا کرو۔"

اپی اٹھی۔ اس کا چہرہ اُس وقت سُرخ ہو رہا تھا۔ وہ آگے بڑھی اور نہایت ادب سے جھک کر کہا "میڈم آپ کا شکریہ، اور جناب آپ کا بھی شکریہ، لیکن میں اپنے والد کو کسی طرح بھی نہیں چھوڑ سکتی۔ اس کے علاوہ میں رئیسوں کی طرح رہنا ہرگز پسند نہیں کرتی۔ جن لوگوں میں رہ کر میں اتنی بڑی ہوئی ہوں انھیں چھوڑنا مجھے کسی طرح گوارا نہیں۔"

اس پر گاڈفری بولا "مگر اپی، میرا تم پر حق ہے اور یہ دنیا کے تمام حقوق سے بھی زیادہ ہے۔ مارنر، اپی میری بیٹی ہے۔ اس کی ماں میری بیوی تھی۔"

اپی کا پہلا جواب سننے کے بعد مارنر کی ہمت بڑھ گئی تھی۔ چناں چہ وہ نہایت غضب ناک ہو کر بولا "تو پھر جناب، آپ نے یہ بات ۱۶ برس پہلے کیوں نہیں کی۔ قبل اس کے کہ میں اس بچی کی محبت میں گرفتار ہوتا آپ نے اپنا حق کیوں نہ جتایا۔ اب آئے ہیں آپ جب کہ اس کی جدائی کے خیال ہی سے میرا دل پاش پاش ہوا جاتا ہے۔" یہ سُن کر گاڈفری سر جھکا کر بولا "مارنر تم سچ کہتے ہو۔ میں نے بڑا زبردست گناہ کیا ہے، مگر مجھے اس کی سزا مل چکی تھی۔ میں بے حد نادم ہوں۔"

مارنر نے کہا "جناب، مجھے یہ سُن کر بے حد خوشی ہوئی، لیکن ندامت یا افسوس کرنے سے ۱۶ برس کے واقعات نہیں بدل جاتے۔ وہ تو مجھے اس وقت سے باپ کہتی ہے جب سے اس

نے بولنا شروع کیا۔"

گاڈفری نے کہا" مارنر، تم بچی کے مستقبل کو تاریک نہ بناؤ۔ مجھے تمھارے جذبات کو مجروح کرتے ہوئے دُکھ ہوتا ہے، لیکن اپنی بیٹی کے پرورش کے سلسلے میں مجبوراً اِصرار کرنا پڑ رہا ہے۔" گاڈفری کے الفاظ سے مارنر متاثر ہوگیا۔ وہ نہایت آہستہ سے بولا،

"اب میں اور کچھ نہ کہوں گا۔ تم لوگوں کا جو جی چاہے کرو۔ بیٹی ایپی، میں تیری راہ میں کانٹا بننا نہیں چاہتا۔" گاڈفری کی ہمت بڑھ گئی۔ اس نے ایپی کو مخاطب کرکے کہا" بیٹی، تم چلوگی نا ہمارے ساتھ؟ میری بیوی تمھارے ساتھ ماں کا سا سلوک کرے گی۔" نینسی نے بھی بڑھ کر ایپی کی خوشامد شروع کردی۔ کہنے لگی" بیٹی، تم میری ویران زندگی میں بہار بن جاؤ گی۔ تمہارے آجانے کے بعد مجھے کسی اور چیز کی تمنا باقی نہ رہے گی۔"

ایپی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس مرتبہ اس نے مُودّبانہ جُھک کر کسی کی تعظیم نہ کی۔ مضبوطی سے مارنر کا ہاتھ پکڑ کر وہ نہایت فیصلہ کُن لہجے میں بولی" آپ دونوں کا شکریہ، لیکن میں اگر اپنے والد کے ساتھ اس جگہ نہ رہ سکی تو پھر میں کبھی خوش نہ ہوسکوں گی۔ جس وقت تک یہ زندہ ہیں اس وقت تک دُنیا کا کوئی شخص میرے اور اُن کے درمیان حائل نہیں ہوسکتا۔"

اِس پر مارنر بولا" مگر بیٹی، خوب اچھی طرح سوچ لو۔ تم غریبوں کے ساتھ رہنا پسند کررہی ہو جب کہ تمھیں ایسا موقع مل رہا ہے کہ بہترین سے بہترین چیزیں میسّر ہوسکتی ہیں۔"

ایپی نے کہا" مجھے اس بات کا کبھی صدمہ نہ ہوگا۔ جن چیزوں کو میں نے کبھی استعمال ہی نہیں کیا، مجھے بھلا غم کیوں ہو؟ بابا، میری جگہ تو یہیں ہے تمہارے ساتھ۔"

آخرکار جب ان کی ساری کوششیں بے کار ہوگئیں تو گاڈفری اور نینسی وہاں سے رخصت ہوگئے۔ دوسرے دن جب ایپی اور مارنر ناشتہ کررہے تھے تو مارنر نے کہا" ایپی، عرصۂ دراز سے میری یہ خواہش ہے کہ تم کو اپنے ساتھ ایک جگہ لے چلوں۔ اب چوں کہ میری کھوئی ہوئی دولت بھی مجھے واپس مل گئی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ ایک گھڑی میں تھوڑا سا مان لے کر ہم دونوں ذرا گھوم آئیں۔"

ایپی نے پوچھا" کہاں بابا؟" مارنر بولا" میرے پُرانے وطن، جہاں میں پیدا ہوا۔ لینٹرن یارڈ میں ذرا مسٹر پیٹسن سے ملنا چاہتا ہوں جو وہاں پادری ہیں۔ ممکن ہے اس عرصے

میں کوئی بات ایسی معلوم ہوئی ہو جس کی بدولت چوری کا الزام مجھ پر سے ہٹ گیا ہو۔" اپی خوش ہو کر بولی "باوا، یہ تو بڑا اچھا ہوگا۔ چند دنوں کے لیے ریویلو سے چلے جانا بھی اچھا رہے گا۔"

چناں چہ چار روز بعد سائلس مارنر اور اپی ایک بڑے صنعتی شہر میں دکھائی دیے۔ یہ لوگ لینٹرن یارڈ کے قریب ہی تھے۔ مارنر بولا "اپی، اس جگہ کو پہچاننا تو اب بے حد دشوار ہو رہا ہے۔ ایک عرصہ ہوا مجھے یہاں سے گئے ہوئے۔" اپی نے کہا "ذرا اس آدمی سے یارڈ کا راستہ پوچھ لیجیے"۔ مارنر نے کہا "اسے معلوم نہ ہوگا۔ بڑے لوگ اِدھر کم ہی جاتے تھے۔ میں جیل کا راستہ پوچھتا ہوں، کیوں کہ اسی طرف جیل بھی ہے۔"

کچھ دیر بعد یہ لوگ جیل کے پاس پہنچ گئے۔

مارنر بولا "وہ دیکھو اپی، اسی حالت میں ہے۔ اب یہاں سے تیسرے موڑ پر ہے۔"

اپی بولی "باوا، لنٹرن یارڈ کیا بڑی اندھیری جگہ ہے؟"

مارنر نے کہا "نہیں وہ اتنی بڑی سڑک نہیں ہے۔ اس سڑک پر تو میں بھی ہمیشہ گھبراتا تھا، مگر لینٹرن یارڈ کا میں شیدائی تھا۔" آخر کار یہ لوگ وہاں پہنچ گئے جہاں سڑک ختم ہو جاتی تھی۔ اس جگہ پر ایک زبردست ہجوم ایک عمارت کے باہر آ رہا تھا۔ مارنر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہنے لگا "یہ تو اس طرح یارڈ کے باہر آ رہے ہیں کہ گویا اس وقت بھی گرجا میں عبادت ہو رہی ہے۔"

مارنر کئی منٹ تک کھڑا دیکھتا رہا۔ گزرا ہوا زمانہ اس کی نظروں کے سامنے آ گیا۔ پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔ اس کے پرانے گھر میں جو تبدیلیاں ہو چکی تھیں۔ انھیں دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔ اپی بولی "باوا کیا بات ہے؟"

مارنر بولا "بیٹی لینٹرن یارڈ ختم ہو گیا۔ اب مجھے کبھی یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ اس چوری کے بارے میں لوگوں کو صحیح واقعات معلوم ہوئے بھی یا نہیں؟" اپی کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں مارنر پر دہی پرانا دورہ نہ پڑ جائے لہٰذا اس نے کہا "باوا، آؤ اس دکان میں بیٹھ جائیں شاید یہ لوگ کچھ بتا سکیں۔" چناں چہ دونوں دکان میں داخل ہو گئے۔ دکان دار سے جو پوچھا تو اس نے کہا "معاف کرنا، میں نے مسٹر پیٹسن یا اور ان لوگوں کے نام ہی نہیں سنے جن کا آپ تذکرہ کر رہے ہیں۔ بات در اصل یہ ہے کہ میں جب یہاں آیا ہوں تو یہ کارخانہ بن چکا تھا۔"

آخر کار تھک کر مارنز اور ایپی واپس لوٹ آئے۔ مارنز کو بھی اب لینٹرن یارڈ کے بارے میں صبر آچکا تھا۔ کچھ عرصے بعد جب موسمِ بہار شروع ہوا اور ہر طرف پھول ہی پھول نظر آنے لگے تو ایپی اور آران کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ہر شخص خوش نظر آرہا تھا۔ سائکس مارنز کے گھر میں دُلہن سجائی جارہی تھی۔ ایپی نے مارنز کو خوش دیکھا تو بولی "باوا، آپ مجھے رخصت تھوڑی کریں گے۔ آپ تو صرف آران کو اپنا بیٹا بنائیں گے۔"

یہ سُن کر مارنز نے کہا "واقعی؟ اگر ایسا ہے تو آج ریویلو میں مجھ سے زیادہ خوش نصیب شاید ہی کوئی اور ہو۔"

چناں چہ ایپی اور آران کی شادی ہوگئی۔ شادی کے بعد جلوس جب گرجا سے نکلنے لگا تو مارنز اور ایپی ہر ایک سے ملتے ہوئے چلے گئے۔ گاڈفری نے ایپی اور مارنز کے لیے ایک بڑا سا مکان بنوا دیا تھا۔ مارنز، ایپی اور آران اسی میں رہنے لگے۔ مکان کے چاروں طرف خوش نما رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے تھے۔ ایپی مارنز کو لے کر باغ میں جب پھول توڑنے گئی تو بولی "باوا ہمارا مکان کتنا خوب صورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم سے زیادہ کوئی بھی خوش نہ ہوگا۔"

مارنز کی آنکھیں اس خیال سے نم ہوگئیں کہ زندگی کے بچے کھُچے چند ہی روز وہ ایپی کی مسرتوں میں شریک ہوسکے گا۔

(ختم)

---

# رشوت

رشوت دینا صرف پیسے کا نقصان ہی نہیں ہے، یہ بہت بڑا اخلاقی اور قومی نقصان ہے۔

رشوت دینا ایسا ہی ہے جیسا کسی چور کی مدد کرنا۔ اگر آپ چور کی مدد کرنے والے کو اچھا نہیں سمجھتے تو رشوت دینے والے کو بھی بُرا سمجھیں۔ اور کتنا ہی نقصان اٹھانا پڑے کبھی رشوت نہ دیں۔ رشوت لینے والے کو اگر کوئی رشوت دینے والا نہ ملے تو وہ کس سے رشوت لے گا؟

یاد رکھیے! رشوت دینا اور لینا دونوں برابر کے قومی جُرم ہیں۔

# انھوں نے چالیس صفحات روزانہ لکھّے

سید رشید الدین احمد

پچھلے دنوں آپ نے خاصی لمبی چھٹّیاں گزاری ہیں۔ مارچ کے مہینے میں عام انتخابات (الیکشن) بھی ہوئے۔ ہر طرف بڑی گہما گہمی تھی۔ لوگ خوب اخبار پڑھ رہے تھے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے چھٹّیاں گزر گئیں، لیکن ذرا یہ تو بتایئے، آپ نے لکھنے پڑھنے میں کتنا وقت خرچ کیا؟ — آپ نے درسی کتابوں کے علاوہ دوسری کن کون سی کتابیں پڑھیں؟ — علم بڑھانے والے اور اخلاق و عادات کو سنوارنے والے کتنے رسالے پڑھے؟ بہت کم ہوں گے جنھوں نے چھٹّیوں میں یہ کام کیا ہوگا۔ جنھوں نے یہ کام کیا بہت اچھا کیا، جو نہ کر سکے ان کو اب کرنا چاہیے۔

علم حاصل کرنے کے لیے محض کتابیں پڑھنا ہی کافی نہیں ہوتا۔ جس طرح کھانا ہضم کرنے کے لیے کھیل کود اور ورزش ضروری ہوتی ہے اسی طرح علم ہضم کرنے کے لیے آپس میں تبادل خیالات اور علمی گفت گو بھی ضروری ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی بے حد ضروری ہے کہ کچھ نہ کچھ ضرور لکھا جائے۔ لکھنے سے سمجھنے اور یاد کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اُستاد آپ کو اکثر لکھنے کا کام دیتے ہیں، اکثر طلبہ کو یہ کام بہت مشکل لگتا ہے۔ وہ اسے کبھی جی لگا کر نہیں کرتے۔ سزا کے ڈر سے کرتے بھی ہیں تو بس یوں ہی سا۔ بہر حال اس دَور میں جب لکھنے کا سر سامان خوب موجود ہے، نہ کاغذ کی کمی ہے نہ قلم اور سیاہی کی، لیکن پھر بھی ہم لوگ لکھنے یا علم ہضم کرنے سے بھاگتے ہیں۔

ہمارے بزرگوں نے علم حاصل کرنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کے لیے کتنی محنت کی ہے، آپ نے اس کے بارے میں کبھی سوچا ہے؟ کتابوں میں ایسے بے شمار بزرگوں کے حالات لکھے ہیں جن کی عمریں لکھنے پڑھنے میں گزر گئیں۔ ان ہی بزرگوں میں حضرت یحییٰ بن معین تھے جنھوں نے اپنے ہاتھ سے چھ لاکھ حدیثیں نقل کیں۔ اسی طرح ایک اور بزرگ امام ابو اُسامہ

کونی نے ۱۱۰ سال کی عمر تک لکھنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ اُن کے بیٹے کہتے ہیں کہ میرے والد نے جب عربوں کے اشعار ایک جگہ لکھنے کا کام شروع کیا تو ان کے سامنے ۸۰ عرب قبیلوں کا کلام تھا۔ ہر قبیلے کے اشعار لکھنے کے بعد وہ شکرانے کے طور پر ایک کلام پاک لکھ کر مسجد میں رکھوا دیتے تھے۔ اِسی طرح انھوں نے کلام پاک کے اسّی سے زیادہ نسخے نقل کیے۔ امام ابو جعفر کے انتقال پر جب ان کی اپنی تصنیف کی ہوئی کتابوں کا حساب لگایا گیا تو شروع جوانی سے انتقال کے وقت تک لکھے جانے والے صفحوں کا روزانہ اوسط ۲۸ صفحات نکلا جب کہ اُن کی عام تحریروں کا اوسط ۴۰ صفحے روزانہ نکلا۔ اسی طرح ایک اور بزرگ حکیم بالمظفر مصری کے بارے میں علامہ ابن ابی اصیبعہ لکھتے ہیں کہ ان کے کتب خانے میں ہر فن کی ہزاروں کتابیں تھیں۔ ان میں سے اکثر انھوں نے خود اپنے قلم سے لکھی تھیں۔

اب ذرا سوچیے اپنے بزرگوں کے مقابلے میں ہمیں کتنی آسانیاں حاصل ہیں۔ ہر کتاب چھپی چھپائی مل جاتی ہے۔ ہر جگہ مل جاتی ہے۔ کاغذ بھی اس زمانے کے مقابلے میں سستا ہے۔ کتابیں لانے کے لیے خود سفر کرنا بھی نہیں پڑتا۔ اگر کوئی کتاب اپنے شہر یا قصبے میں نہ ملے تو ایک خط لکھ کر ڈاک سے منگوا سکتے ہیں۔ پھر بھی ہم کتنی کتابیں خریدتے اور جمع کرتے ہیں۔ اپنا پیسہ دوسری چیزوں کے خریدنے پر خرچ کرتے ہیں، لیکن کتاب، رسالہ یا اخبار مانگ کر پڑھنا چاہتے ہیں۔ خیر، اگر آدمی خرید نہ سکے تو مانگ کر پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے لیکن کتاب پڑھنا ضرور چاہیے۔ اور اپنا وقت پڑھنے پر خرچ کرنا چاہیے۔ اگر ہم پیسہ خرچ نہیں کر سکتے تو وقت اور محنت تو صرف کر سکتے ہیں۔

---

## بقیہ "ندامت کے آنسو"

اور پھر تم آم چوری کرنے گئے تھے۔ چوری کرنا سب سے بڑا گناہ ہے، بیٹے تم چوری چھپے باہر گئے۔ آم چوری کیے، ماں باپ کی حکم عدولی کی۔ اگر تم اپنی امی جان کی بات مان لیتے تو تمھیں کبھی یہ تکلیف نہ اُٹھانا پڑتی۔" ابا جان کی باتیں سُن کر ہماری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا۔ یہ شرمندگی کے آنسو تھے۔

معراج

# جادُو

بھیّا رُبالو اپنی دُھن میں مَست گنگناتا ہوا جنگل سے گزر رہا تھا کہ کسی نے زور سے کہا، "نہ نہ اسے نہ پھینکیے ورنہ میری ٹوپی خراب ہو جائے گی۔" رُبالو اس طرف دوڑنے لگا۔ جدھر سے یہ آواز آئی تھی۔ اُس نے دیکھا کہ ایک موٹا سا لڑکا دبلے پتلے لڑکوں کو پریشان کر کے خوش ہو رہا ہے۔

وہ دونوں بے چارگی میں چلّا رہے ہیں اور مدد کے لیے بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہیں۔ بھیا رُبالو کا خون کھولنے لگا۔ بچّوں نے رُبالو کو دیکھتے ہی چلّانا شروع کیا،

"دیکھیے شمشوں نے ہماری ٹوپیاں

اچھال کر درخت پر پھینک دی ہیں۔"

رُبالو نے شم شوں کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا "یہ کھیل تو بہت پُر لطف ہے، مجھے بھی اس میں شریک کر لو۔"

اس سے پہلے کہ شم شوں کوئی جواب دیتا رُبالو نے اس کی ٹوپی اُچک لی اور اُسے اس زور کا ٹھڈا مارا کہ ٹوپی درخت کی سب سے اونچی شاخ میں جا اٹکی۔ پھر اُس نے شم شوں کا کوٹ اتار کر اُچھال دیا وہ بھی بہت اونچی شاخوں میں اُلجھ گیا۔ پھر اس نے شم شوں کے جُوتوں، موزوں قمیض اور بنیان کا بھی یہی حشر کیا۔ تب رُبالو کا غصّہ ٹھنڈا ہوا۔

وہ ہنس کر بولا "دیکھا کتنا دل چسپ کھیل تھا۔ بھیا شم شوں تمھیں بھی خوب مزا آیا ہوگا، ہے نا؟ اچھے بھیا اب تم ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کا لطف اٹھاتے ہوئے گھر جاؤ۔ اور بچو، تم بھی اب میرے ساتھ گھر چلو۔"

کچھ دن بعد رُبالو کے گھر میں ایک عجیب ہی تماشا ہونے لگا۔

کبھی گھڑی اچھل کر فرش پر گر جاتی، کبھی چمٹا خود بخود چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل جاتا اور کبھی گھڑی کی پٹائی کرنے لگتا، ایک بار کیتلی آپ ہی آپ ہوا میں اُچھل کر ناچنے لگی اور اس کا گرم پانی رُبالو اور اُس کی ماں پر گرا۔ کوڑے کا ڈرم کھسکتا ہوا کمرے میں آیا اور عجیب خن خنی آواز میں بولا،

"میاں رُبالو! چند دن اور مزے کر لو پھر میں تمہیں کھا جاؤں گا۔"

رُبالو نے غصّے میں ڈرم کے زور دار لات رسید کی اور کہا "تو مجھے کیسے کھا سکتا ہے بھلا؟ میں ابھی تجھے ٹھکانے لگا دوں گا۔"

رُبالو نے کوڑے کا ڈرم بہت دُور جنگل میں پھینک دیا، لیکن اسی رات جب وہ کمرے میں سونے کے لیے گیا تو ڈرم کمرے میں پھر آگھسا۔ وہ ناچ ناچ کر خن خنی آواز میں کہہ رہا تھا،

"مجھ سے بچ کر کہاں جاؤ گے، مجھ سے بچ کر کہاں جاؤ گے؟"

پھر بلیوں پر پاگل پن کا دورہ سا پڑ گیا۔ ٹب ہوا میں اُڑ کر دور جا گرا۔ ٹب ہر طرف یوں بھاگ رہا تھا کہ جیسے کوئی اُس کا پیچھا کر رہا ہو۔ اور ٹب نے زور زور سے چلّانا شروع کر دیا۔۔۔ میاں رُبالو کا خوف سے بُرا حال تھا۔

"ماں یہ سب کیا ہو رہا ہے، کیا کوئی بھتنا گھر میں گھس آیا ہے، یا کسی نے جادو کر دیا ہے ہم

لوگوں پر؟" ماں نے رُبالو کی ڈھارس بندھائی اور کہا "بیٹے! بدی کی قوتیں ہمیشہ نیک لوگوں کو اسی طرح پریشان کرتی ہیں۔ بدی کبھی کھل کر سامنے آجاتی ہے، کبھی چھپ چھپ کر وار کرتی ہے مگر بیٹے ہمت ور کبھی ہمت نہیں ہارتے وہ ڈٹ کر بہادری سے مقابلہ کرتے ہیں اور بُرائی اور بدی کا نام نشان مٹا دیتے ہیں ـــــ اُو۔ و و وہ" ماں نے درد سے بے تاب ہو کر چیخ ماری۔

"ماں، ماں کیا ہو گیا ہے آپ کو؟" رُبالو نے پریشان ہو کر پوچھا۔

ماں نے کہا "بیٹے وہی بدی کی قوت مجھے پریشان کر رہی ہے۔"

"ماں کیا اِس بُری رُوح یا بھتنے نے آپ کو کاٹ لیا ہے؟" ربالو نے پوچھا۔

ماں نے کہا "بیٹے رُبالو، یہ چڑیل اور بھتنے تو بزدل لوگوں کا وہم ہے۔ کسی مخلوق میں اتنی جُرأت نہیں کہ وہ ہمیں تنگ کر سکے۔"

رُبالو نے کہا "تب ضرور یہ کوئی شریر بونا ہے جو ہماری نظروں سے پوشیدہ رہ کر ہمیں تنگ کر رہا ہے۔"
اتنے میں سامنے رکھی ہوئی الماری سے دھڑادھڑ برتن گرنے لگے۔ کچھ دیر بعد کسی نے رُبالو کے زور سے چٹکی لی۔ پھر تڑاتڑ دو تین طمانچے رسید کیے۔

رُبالو نے کہا "ذرا مردوں کی طرح سامنے آکر مقابلہ کرو۔"

جواب میں کسی نے رُبالو کی کمر پر لات رسید کی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا، پھر کوڑے کا ڈرم اس پر آگرا اور وہ سر سے پاؤں تک گندگی میں لتھڑ گیا۔

رُبالو چلّایا "ماں! ماں! جلدی سے کچھ ترکیب سوچیے۔ ورنہ خالہ دلاور خاتون کو بلاتا ہوں۔" ماں نے کہا "ایک ترکیب میری سمجھ میں آگئی ہے۔ تم ذرا مرچوں کا وہ ڈبہ مجھے دو۔ جوں ہی پھر اس قسم کا واقعہ ظاہر ہو تو تم فوراً سب کھڑکیاں اور دروازے بند کر دینا پھر میں تمھیں ایک دل چسپ تماشا دکھاؤں گی۔"

رُبالو نے مرچوں کا ڈبہ اپنی ماں کو تھما دیا اور ماں نے وہ ڈبہ اپنی جیب میں ٹھونس لیا اور دونوں پھر کسی واقعے کے رُونما ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ ہی دیر بعد اچانک ایک گھڑی اچھل کر فرش پر گری، دونوں ماں بیٹے سمجھ گئے کہ وہ شیطان پھر آگیا ہے۔ رُبالو نے جھٹ سے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔ ماں مرچوں کو مٹھیاں بھر بھر کر ہوا میں اُڑانے لگی۔ رُبالو اور ماں نے منھ پر اچھی طرح کپڑا لپیٹا ہوا تھا اس لیے اُن پر مرچوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔

"آ۔آ۔آ۔آچھیں۔" الماری کے قریب سے کوئی چھینکا، رُبالو نے لپک کر اُسے پکڑنا چاہا، لیکن میز کے نیچے کوئی نہ تھا۔

"آ۔اُو۔ؤ۔ؤؤؤؤچھ۔" کوئی الماری کے قریب سے چھینکا۔ دونوں ماں بیٹے اُدھر لپکے اور انھوں نے ہوا میں ہاتھ مار کر کسی کو پکڑ لیا۔ یہ وہی نظر نہ آنے والا شیطان تھا۔ اُس نے چھٹنے کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن ماں اور رُبالو نے اُسے مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ ماں نے جلدی سے کھولتا ہوا گرم پانی نظر نہ آنے والے شیطان پر اُنڈیل دیا اور وہ اس زور سے چیخا چلّایا کہ خدا کی پناہ اور وہ جادو بھی ٹوٹ گیا جس کے ذریعے وہ شیطان نظروں سے پوشیدہ تھا۔ یہ شم شوں تھا۔ اُسے دیکھتے ہی رُبالو حیرت سے چلّایا، "شم شوں! اوہو میں اب سمجھا، تم مجھ سے اس دِن کا بدلہ لے رہے ہو جب میں نے تمھیں دو بچّوں کو تنگ کرنے پر سزا دی تھی۔ بدبخت، شریر

اور بد تمیز لڑکے تم نے جادُو کے ذریعے ہماری نظروں سے پوشیدہ رہ کر ہمیں بہت ستایا تھا لیکن اب تم اتنی بُری حالت میں ہو کہ میں تمھیں کچھ بھی کہنا نہیں چاہتا۔"

سر سے پاؤں تک گرمی سے جھلسا ہوا، درد اور تکلیف سے چلّاتا ہوا شم شوں اپنے گھر کو چلا۔ اُس وقت ایک عجیب بات ہوئی، یعنی کوڑے کے ڈرم کا ڈھکنا خود بخود کھُل گیا اور اس سے اس قسم کی آواز آئی جیسے وہ کہہ رہا ہو، "میاں شم شوں! تم نے لوگوں کو بہت دِن دُکھ دیے۔ تم جیسے لوگوں کی جگہ تو صرف کوڑے کے ڈرم میں ہے۔ ورنہ دُنیا کے سب لوگ تم سے نفرت کرتے ہیں۔"

اور بھئی کُوڑے کے ڈرم کی یہ بات بالکل سچ ہے۔ لوگوں کو تنگ کر کے مزے لینے والوں سے دُنیا نفرت کرتی ہے اور اُنھیں کُوڑے کے ڈرم میں پھینک دینا چاہیے۔

---

# ڈرائیور چیونٹیاں

اِس نام سے یہ نہ سمجھیے کہ یہ چیونٹیاں کوئی گاڑی چلاتی ہوں گی۔ چیونٹیوں کی یہ نسل بڑے بڑے چھتوں کی شکل میں پرے کے پرے جمائے بڑے قاعدے کے ساتھ جنگلوں میں میں گشت لگاتی رہتی ہے۔ اس لیے انھیں ڈرائیور چیونٹیاں کہا جاتا ہے۔ افریقہ کے گرم علاقوں میں پائی جانے والی یہ چیونٹیاں بڑی خوں خوار ہوتی ہیں۔ ان کی لپیٹ میں جو بھی جان دار آجاتا ہے یہ انھیں چٹ کر جاتی ہیں۔ ایک سائنس دان مسٹر ایڈورڈ اسٹیپ (EDWARD STEP) لکھتے ہیں کہ "ایک دفعہ میں نے ان چیونٹیوں اور ایک سینگوں والے زہریلے سانپ (افعی) کے درمیان شدید جنگ ہوتے دیکھی۔ یہ سانپ دراصل اپنی کینچلی اُتار رہا تھا کہ اُدھر سے ڈرائیور چیونٹیوں کی فوج پریڈ کرتی آپہنچی اور وہ سب اس پر لوٹ پڑیں۔ انھوں نے اپنے خطرناک چمٹے جیسے جبڑوں سے سانپ کو پکڑ لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی تکا بوٹی کر دی۔ کُل ۴۵ منٹ کے اندر سانپ ڈھیر ہو گیا اور انھوں نے اس کا گوشت چٹ کر کے اپنی راہ لی۔

# ہمارا کسان

پیرزادہ عاشق کیرانوی

بڑے عزم والا ہمارا کسان
جہاں سے نرالا ہمارا کسان
بہادر جیالا ہمارا کسان
مشقّت کا پالا ہمارا کسان
وطن کا اُجالا ہمارا کسان

زمینوں سے فصلیں اُگاتا ہے یہ
عزائم کے نغمے سُناتا ہے یہ
ترقّی کے نعرے لگاتا ہے یہ
بلند اور بالا ہمارا کسان
وطن کا اُجالا ہمارا کسان

قدم کوہساروں میں دھرتے ہوئے
چمن زار کی مانگ بھرتے ہوئے
نہیں دیکھتا کام کرتے ہوئے
کوئی ندّی نالا ہمارا کسان
وطن کا اُجالا ہمارا کسان

فِدا اس پہ ہونے بہار آگئی
نئے دور سے اس کو عزّت ملی
زمیں دار کے پاؤں پر اب کبھی
نہیں جُھکنے والا ہمارا کسان
وطن کا اُجالا ہمارا کسان

میسّر کہاں اس کو آرام ہے
شب و روز محنت سے بس کام ہے
یہی صبح اس کی یہی شام ہے
بڑا بھولا بھالا ہمارا کسان
وطن کا اُجالا ہمارا کسان

# دیہاتی معالج

تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ اگر دیہات میں پائی جانے والی جڑی بوٹیوں کو بروقت اور مُناسب طریقے پر استعمال کیا جائے تو عام بیماریوں کا بروقت ازالہ ہو سکتا ہے اور علاج معالجے میں بے شمار پریشانیوں سے نجات مِل سکتی ہے۔

چناں چہ اس مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر عام آدمی اور دیہاتیوں کے لیے گائڈ کے طور پر کتاب دیہاتی معالج دو حصّوں میں مُرتّب کی گئی ہے۔

حصّہ اوّل میں صحت کے عام اُصول، مثلاً ہوا، پانی، غذا، ورزش، نیند، غُسل، لباس، صفائی، جنسی معلومات، حمل و زچہ بچّہ کے متعلق ایسی باتیں لکھی گئی ہیں جو عملی طور پر مفید ہیں، جدید تحقیقات کے مُطابق ہیں۔ ساتھ ہی اِس جلد میں ۱۶۶ جڑی بوٹیوں اور دواؤں کے خواص بیان کیے گئے ہیں جو بہت ہی معتبر ہیں۔ کل صفحات ۳۱۲۔

حصّہ دوم میں، جو شائع ہو چکا ہے ۲۲۴ امراض کی تدابیر اور طریقۂ علاج شامل ہیں۔ اِن میں جدید دَور کے امراض، مثلاً بلڈ پریشر پر بھی تازہ معلومات دَرج ہیں۔ ان امراض کے علاج میں بیشتر حصّہ اول میں دی ہوئی ۱۶۶ جڑی بوٹیوں کو بنیاد بنایا گیا ہے، لیکن کہیں کہیں اُن دواؤں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے جو شہروں میں مِل جاتی ہیں۔ مردوں، عورتوں، بچّوں کے امراض اور اتفاقی حادثات کو علاحدہ فصلوں میں دَرج کیا گیا ہے۔ آخر میں بعض دوائیں اور غذائیں بنانے کی ترکیبیں بھی بتائی گئی ہیں۔ کل صفحات ۲۳۲۔ دونوں حصّوں میں فہرست بھی دی گئی ہے۔ کتاب آسان زبان میں لکھی گئی ہے۔ تاکہ ہر شخص فائدہ اُٹھا سکے۔ یہ کتاب دیہات کے علاوہ شہر کے لوگوں کے لیے بھی مفید ہے۔

عمدہ سفید کاغذ
سائز ۲۰×۳۰/۱۶

حصّہ اوّل قیمت : دس رُپے
حصّہ دوم قیمت : دس رُپے

ہمدرد اکیڈمی، ہمدرد سنٹر۔ ناظم آباد۔ کراچی ۱۸

# درخت سب سے زیادہ زندہ رہتے ہیں!

مناظر صدیقی

میٹھو بیٹے روٹی کھائیں گے
میٹھو بیٹے چوری کھائیں گے

جس گھر میں ہرے رنگ اور لال چونچ والا یہ خوب صورت پرندہ پلا ہوتا ہے وہاں سے یہ آوازیں دن میں کئی بار سنائی دیتی ہیں، بچے بوڑھے سب ہی اس خوب صورت پرندے سے پیار کرتے ہیں، کوئی اسے پھل کھلا رہا ہے تو کوئی روٹی کا ٹکڑا اس کے پنجرے میں ڈال رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تمھارے گھر میں بھی یہ ننھا خوب صورت پرندہ پلا ہو۔ تم بھی اس کی حفاظت کرتے ہوگے۔ اس کا پنجرا کھلا نہیں چھوڑا جاتا، کیوں کہ یہ موقع پاتے ہی اُڑ جاتا ہے۔ تم بھی جب اسکول سے گھر پہنچتے ہوگے تو کتابیں رکھنے کے بعد سب سے پہلے اس کے

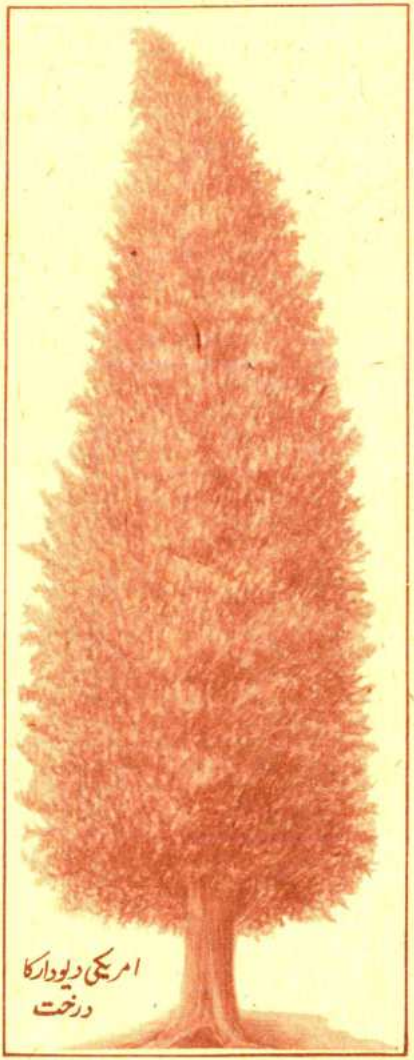

امریکی دیودار کا درخت

امریکی دیودار کی پتیاں اور پھل

پنجرے کے پاس پہنچ کر اُس سے باتیں ضرور کرتے ہو گے، لیکن تم نے یہ کبھی نہ سوچا ہو گا کہ اگر مٹھو میاں کو اُڑنے کا موقع نہ ملے تو یہ تمھارے گھر میں کتنے دن تک اپنی پیاری اور میٹھی آواز سے تمھارا دل لبھاتے رہیں گے، یعنی یہ کہ یہ مٹھو میاں کتنے دن تک زندہ رہیں گے۔ آؤ! آج ہم تمھیں بتائیں کہ مٹھو میاں کی عمر کتنی ہوتی ہے ــــ صرف مٹھو میاں ہی نہیں دُنیا کے اور بہت سے پرندوں، جانوروں اور درختوں کی عمریں معلوم کر کے تم یقیناً حیران ہو گے۔

جانوروں، پرندوں اور درختوں وغیرہ کی عمروں کے متعلق سائنس دانوں اور ماہرین نے جو تجربے کیے ہیں یا جو اندازے لگائے ہیں وہ بڑے دل چسپ ہیں۔ مثلاً ایک پالتو توتا ۱۵۰ سال تک زندہ رہا۔ یہ توتے کی زیادہ سے زیادہ عمر کا ریکارڈ تھا، لیکن عام طور پر توتے تقریباً ۱۲۵ سال تک زندہ رہتے ہیں۔ اِس طرح پالتو پرندوں میں میاں مٹھو کی عمر سب سے زیادہ ہوتی ہے، لیکن اِس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ تمام جانوروں ہی کی عمریں زیادہ ہوتی ہیں۔ اکثر جانوروں خاص طور پر سانپوں وغیرہ کے متعلق بہت سی من گھڑت کہانیاں مشہور ہیں۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ ناگ سانپ کی عمر ایک ہزار سال سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ کہانیاں ہمارے ہی ملک میں مشہور نہیں، دُنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی مختلف جانوروں کے متعلق ایسی ہی جھوٹی باتیں مشہور تھیں۔ چناں چہ علم حیاتیات کے ماہرین نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ ہماری زمین پر جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں ان کی اوسط عمر کیا ہوتی ہے۔ ان سائنس دانوں کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں بہت سی چیزوں کی عمروں کا اندازہ ہو گیا اور تمھیں یہ معلوم کر کے تعجب ہو گا کہ جس طرح بہت کم انسان ایسے ہوتے ہیں جن کی عمر ایک سو سال سے زیادہ ہو، اسی طرح دنیا بھر میں پائے جانے والے مختلف قسم کے جانوروں، پودوں اور درختوں میں بھی ایسے جانور اور درخت بہت کم ہوتے ہیں جن کی عمریں غیر معمولی طور پر زیادہ ہوتی ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ انسانوں کے مقابلے میں درخت بہت زیادہ دنوں تک زندہ رہتے ہیں۔ اسی طرح ایک خاص قسم کا بڑا کچھوا انسانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ دنوں تک زندہ رہتا ہے۔ یہ کچھوا عام طور پر بحرالکاہل کے ایک جزیرے گیلاپاگوس میں پایا جاتا ہے۔ ہاتھی جیسے بڑے جانور کی عمر عام طور پر انسانوں سے کم ہوتی ہے۔

درختوں کی عمروں کا اندازہ لگانے کے لیے جب سائنس دانوں نے پُرانے درختوں کی تلاش شروع کی اور سائنسی طریقوں سے درختوں کی عمر کا اندازہ لگایا تو انھیں دنیا میں سب سے زیادہ بوڑھا درخت شمالی امریکا کے ملک میکسیکو کے ایک گاؤں سانتا ماریا میں ملا۔ یہ درخت اس گاؤں کے ایک گرجا میں لگا ہوا

ہے۔ یہ دراصل دیودار کا درخت ہے۔ اس قسم کے درخت تو دُنیا میں بہت سی جگہ پائے جاتے ہیں۔ عام طور پر دیودار کا درخت اگر کاٹا نہ جائے تو تین ہزار سال سے چار ہزار سال تک زندہ رہتا ہے۔ امریکی دیودار کے درخت عام طور پر تقریباً چھتیس فٹ اونچے ہوتے ہیں، لیکن میکسیکو کے گاؤں سانتاماریا میں جو درخت لگا ہوا ہے اس کی عمر پانچ ہزار سال بتائی جاتی ہے پھر بھی سائنسدانوں نے بہت احتیاط سے اس کی عمر جانچنے کی کوشش کی تو تمام سائنسی طریقے اختیار کرنے کے بعد انھیں اندازہ ہوا کہ اس درخت کی عمر کم از کم چار ہزار سال ہے۔ یہ درخت ۱۵۰ فیٹ اونچا ہے۔

یورپ اور امریکا کے گرجا گھروں میں جو سدابہار درخت لگائے جاتے ہیں اُن کے متعلق سائنسدانوں کا اندازہ ہے کہ ان کی عمریں عام طور پر ایک ہزار سال ہوتی ہیں۔ ان دونوں درختوں کے علاوہ یورپ اور امریکا میں ایک اور درخت ہوتا ہے جسے شاہ بلوط کہتے ہیں۔ یہ درخت بہت اونچا اور خاصا موٹا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ شاہ بلوط کے درخت پانچ سو سال تک ہرے بھرے رہتے ہیں۔ یورپ میں ایک اور درخت ہوتا ہے جسے بیچ زان یا (beech) کا درخت کہتے ہیں۔ اس درخت کی عمر چار سو سال ہوتی ہے۔

یہ تو تھیں درختوں کی عمروں کی باتیں۔ اب ذرا جانوروں کا حال بھی سُنو۔ دُنیا کے سب سے بڑے سمندر بحرالکاہل میں ایک جزیرہ ہے گیلا پاگوس۔ یہ جزیرہ خطِ استوا کے قریب ہے یعنی اس میں سخت گرمی پڑتی ہے۔ سال بھر سورج کی کرنیں اس جزیرے پر بالکل سیدھی پڑتی ہیں۔ اپنی جغرافیہ کی کتاب میں تم نے خطِ استوا کے موسم اور عام حالات کے متعلق تو ضرور پڑھا ہوگا۔ بس سمجھ لو کہ گیلا پاگوس میں بھی وہی صورت ہوتی ہے۔ اس سخت گرمی برداشت کرنے والے جزیرے میں بہت بڑے بڑے کچھوے پائے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ کچھوے کبھی کبھی تو دو سو سال تک زندہ رہتے ہیں ورنہ عام طور پر ایک سو سے ڈیڑھ سو سال تک زندہ رہتے ہی ہیں۔ بحرالکاہل کے اس جزیرے کے علاوہ بحر ہند کے مغربی ساحل یعنی براعظم افریقہ کے قریب ایک جزیرہ مارشس ہے۔ یہاں بھی گیلا پاگوس جزیرے کے کچھوؤں کی طرح بڑے کچھوے رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جزیرہ مارشس کی فوجی چھاؤنی کے ایک بیرک میں اسی قسم کا ایک بڑا کچھوا ۱۷۶۶ء سے ۱۹۱۸ء تک رہتا رہا۔ اس کے بعد اسے ہلاک کر دیا گیا۔ کچھوؤں کی بڑی عمر کے متعلق اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً جنوبی بحرالکاہل کے ایک جزیرے ٹونگا میں ایک کچھوا ۱۹۶۶ء میں مرا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کچھوے کو لوگ ۱۷۷۰ء سے دیکھتے

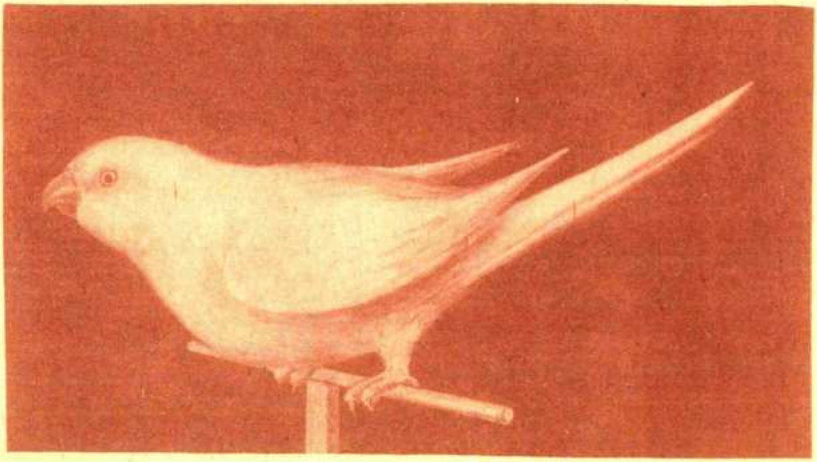

چلے آرہے تھے۔ بحر ہند اور بحر الکاہل کے کچھوؤں کی طرح بحیرہ روم کے کچھوے بھی بہت زیادہ دنوں تک زندہ رہتے ہیں۔ ان کے متعلق اندازہ لگایا گیا ہے کہ ان کی عمریں ۱۲۳ سال سے ۱۲۵ سال تک ہوتی ہیں۔

انسانوں اور جانوروں کی عمروں کا مقابلہ کیا جائے تو یہ جان کر بھی حیرت ہوگی کہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے والے جانوروں، یعنی ننھی سی چوہیا سے لے کر ہاتھی جیسے بڑے ڈیل ڈول کے جانور تک کوئی بھی جانور عام طور پر انسان سے زیادہ زندہ نہیں رہتا۔ ہاتھیوں کی عمر کے متعلق جو تجربات کیے گئے ہیں ان سے معلوم ہوا کہ ہاتھی عام طور پر تقریباً پچاس سال تک زندہ رہتے ہیں۔ بہت کم ہاتھی ایسے ہوتے ہیں جن کی عمر پچاس یا پچپن برس سے زیادہ ہو۔ اب تک پلے ہوئے ہاتھیوں میں سب سے زیادہ عمر امریکا کے چڑیا گھر کے ایک ہاتھی کی تھی جو تقریباً ۸۵ سال تک زندہ رہا۔ امریکا ہی کے چڑیا گھر کا ایک اور ہاتھی ستر سال تک زندہ رہا۔ حالاں کہ ہاتھیوں کے متعلق اب تک یہ بات مشہور تھی کہ ان کی عمر بہت زیادہ ہوتی ہے۔ لندن کے چڑیا گھر کا اصلی جمبو ہاتھی ۶۴ سال کی عمر میں مر گیا تھا۔ ہاتھیوں کی عمر کے متعلق برما کے جنگلات سے لکڑیاں کاٹنے والی کمپنی "بمبئی برما ٹریڈنگ کمپنی" کا تجربہ بھی ثبوت کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ لکڑی کے بڑے بڑے گٹھے اور بڑے بڑے درختوں کے کٹے ہوئے تنے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لیے اس کمپنی نے ۱۷۰۰ (سترا ہزار)

ہاتھی پالے تھے۔ کمپنی کے افسروں کا کہنا ہے کہ ان ستر ا ہزار ہاتھیوں میں سے صرف ۹ فی صد یعنی ۱۵۳۰ ہاتھی ایسے تھے جو ۵۵ سے ۶۵ سال تک زندہ رہے۔ دو فی صد یعنی کل ۳۴۰ ہاتھی ایسے تھے جن کی عمر ۶۵ سال سے زیادہ ثابت ہوئی۔

ہاتھی کے بعد سب سے زیادہ زندہ رہنے والا جانور گھوڑا ہوتا ہے۔ گھوڑے کی عمر عام طور پر ۵۰ سال ہوتی ہے۔ ابھی تک دنیا بھر میں صرف ایک گھوڑا ایسا تھا جو ۶۲ سال تک زندہ رہا۔ گدھے کی عمر زیادہ سے زیادہ ۴۰ سال ہوتی ہے۔ دریائی گھوڑا ۴۱ سال تک زندہ رہتا ہے اور گینڈا ۴۰ سال تک۔ ریچھ کی عمر ۳۰ سال سے ۳۴ سال کے درمیان ہوتی ہے۔ مور خور عام طور پر ۴۲ سال تک زندہ رہتا ہے۔ چمپانزی بندر عام طور پر ۲۶ سال تک زندہ رہتے ہیں۔ کتے کی عمر صرف ۲۴ سال ہوتی ہے، البتہ کتے کے مقابلے میں بلی زیادہ دنوں تک زندہ رہتی ہے۔ ایک خاص نسل سے تعلق رکھنے والی بلیاں ۳۹ سال تک زندہ رہتی ہیں، ورنہ عام طور پر بلیوں کی عمر کا اندازہ ۲۷ سال سے ۳۱ سال کے درمیان لگایا گیا ہے۔ وہیل مچھلی کو سمندری جانوروں میں سب سے بڑی ہوتی ہے لیکن اپنے قد اور وزن کے مقابلے میں اس کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔ سائنس دانوں کا دعوا ہے کہ وہیل مچھلی عام طور پر ۳۷ سال تک زندہ رہتی ہے۔ اس کے مقابلے میں کیچوے کی عمر بہت زیادہ ہوتی ہے۔ کہ اگر انسان کے پیٹ میں کیچوا ہو تو وہ پیٹ میں ۲۵ سال تک زندہ رہتا ہے۔ ایسی ایک مثال بھی موجود ہے۔

جانوروں کی عمر کے متعلق ایک دل چسپ بات یہ بھی ہے کہ صرف اُن جانوروں کی عمریں زیادہ ہوتی ہیں جنھیں انسان پال لیتے ہیں اور جو جانور اپنی فطری زندگی گزارتے ہیں یعنی جنگل میں رہتے اور اپنی غذا شکار کے ذریعے حاصل کرتے ہیں ان کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جنگل میں رہنے کی وجہ سے چھوٹے جانوروں کو بڑے جانوروں کی طرف سے ہر وقت خطرہ لگا رہتا ہے۔ بہت سی قدرتی آفتیں مثلاً طوفان، آندھی، زلزلے وغیرہ بھی ان کی موت کا سبب بن جاتے ہیں۔ غذا حاصل کرنے کے لیے انھیں دن رات شکار کی تلاش میں پھرنا پڑتا ہے۔ اس طرح جانوروں کی قوت روز بروز کم ہوتی جاتی ہے۔ وہ کم زور ہوتے جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بعض جانور بوڑھے ہو کر اندھے ہو جاتے ہیں۔ دوڑنے بھاگنے کی طاقت کم ہو جاتی ہے اور زیادہ تر تو جنگل میں رہنے والے جانوروں کے دانت کم زور ہو کر ٹوٹ جاتے ہیں یا اتنے کم زور ہو جاتے ہیں کہ انھیں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ پھر جب یہ حالت ہو تو انھیں جنگل میں پیٹ بھرنے کے لیے کھانا کون دے گا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جلد ہی مر جاتے ہیں، لیکن جو جانور پلے ہوتے ہیں انھیں کسی قسم

کی پریشانی نہیں اٹھانی پڑتی۔ انسان انھیں وقت پر اور پیٹ بھر کر کھانا کھلاتا ہے۔ انھیں بارش، آندھی اور طوفان سے بچائے رکھتا ہے۔ انھیں اپنے دشمنوں سے کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ حادثات کبھی کبھار ہی ہوتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ پلے ہوئے جانور زیادہ دنوں تک زندہ رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں لومڑی ہی کی مثال لے لو۔ جنگلی لومڑی عام طور پر ۱۴ یا ۱۵ سال کی عمر میں مر جاتی ہے، لیکن پلی ہوئی لومڑی ۲۵ سال تک زندہ رہتی ہے۔ اسی طرح جنگلی شیر کی عمر ۱۷ سال سے زیادہ نہیں ہوتی۔ نیولا آٹھ سال تک زندہ رہتا ہے۔

پالتو پرندوں میں میاں مٹھو کی عمر دوسرے تمام پرندوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے اور وہ عام طور پر ۱۲۵ سال تک زندہ رہتے ہیں، لیکن ان کے علاوہ بھی بعض پرندے بہت زیادہ دنوں تک زندہ رہتے ہیں، مثلاً ۱۸۸۷ء میں لندن میں ایک راج ہنس کا شکار کیا گیا تھا۔ اس ہنس کے پیر میں ایک چھلا پڑا ہوا تھا جس پر ۱۷۱۱ یا ۱۷۷۷ درج تھا۔ گویا جب یہ راج ہنس مرا تو اس کی عمر ۱۷۰ سال تھی۔ اسی طرح ۱۸۴۵ء میں فرانس میں ایک باز کا شکار کیا گیا۔ اس کے گلے میں دھات کا ایک پٹا پڑا ہوا تھا جس پر لاطینی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ اسے پڑھنے کی کوشش کی گئی تو پتا چلا کہ اسے ۱۷۵۰ء میں شکار کے لیے استعمال کیا جاتا تھا، لیکن ان دونوں جانوروں کی عمر پڑھ کر یہ نہ سمجھ لینا کہ راج ہنس اور باز دونوں ہی اتنے زیادہ دنوں تک زندہ رہتے ہیں۔ یہ تو محض اتفاق تھا کہ ان دونوں پرندوں کی عمر اتنی لمبی ہوگئی۔ ان کی عمریں عام طور پر اتنی نہیں ہوتیں۔ راج ہنس اور باز کے علاوہ دوسرے پرندوں کی عمریں بھی بہت کم ہوتی ہیں۔ مثلاً یورپ اور امریکا میں ایک خوب صورت چڑیا پائی جاتی ہے اس کا نام میگپی ہوتا ہے۔ اس کی دُم اس کے قد سے لمبی ہوتی ہے۔ یہ چڑیا ہر وقت شور مچاتی رہتی ہے۔ اس چڑیا کی عمر زیادہ سے زیادہ ۳۰ سال ہوتی ہے۔ بحر منجمد کے علاقے میں پایا جانے والا کالے رنگ کا بڑا سمندری بگلا عام طور پر ۲۵ سال تک زندہ رہتا ہے۔ یورپ میں پائی جانے والی ایک چڑیا جسے شیفنچ کہتے ہیں ۱۷ سال تک زندہ رہتی ہے۔ قاز جسے عام طور پر بڑی بطخ کہتے ہیں زیادہ سے زیادہ ۳۷ سال تک زندہ رہتی ہے۔ چھوٹی بطخ جسے عام طور پر چُنا بطخ بھی کہتے ہیں اور اکثر گھروں میں پالی جاتی ہے اس کی عمر ۱۷ سال ہوتی ہے۔ بام مچھلی عام طور پر ۳۶ سال تک زندہ رہ سکتی ہے۔ پہاڑی کوّے کی عمر ۴۷ سال ہوتی ہے سانپ سے ملتی جلتی بام مچھلی کے سوا باقی تمام مچھلیوں کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔ یہ عام طور پر صرف دس بارہ سال زندہ رہتی ہیں۔ اس طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ دنیا میں صرف درخت ہی انسان سے زیادہ عمر پاتے ہیں۔

# رنگ برنگی پھلجھڑیاں

★ ملا نصرالدین کو ایک دکان میں ایک اچکن پسند آئی، لیکن بعد میں ایک انگرکھا پسند آیا۔ وہ انگرکھا لے کر جانے لگے تو دکان دار نے کہا، "جناب! انگرکھے کی قیمت تو دیتے جایئے۔" انھوں نے جواب دیا، "کیسی قیمت؟ انگرکھا تو میں نے اچکن کے بدلے لیا ہے۔" دکان دار بولا، "چلو اچکن کی قیمت دے دو۔" ملا نے جواب دیا، "اچکن تو میں نے واپس کر دی ہے پھر قیمت کیسی؟" یہ کہا اور انگرکھا لے کر چلتے بنے۔

مرسلہ: عدنان خاں فیصل، میانوالی

★ ماں: ہائے چنو! تم نے کیچڑ میں تمام کپڑے خراب کر دیے ہیں۔

چنو: امی کیا کرتا۔ گرتے وقت کپڑے اُتارنے کی فرصت نہیں ملی۔ (ریاض احمد، کراچی)

★ ایک صاحب کے گھر آگ لگ گئی، لیکن وہ بڑے اطمینان سے بیٹھے رہے۔ ایک شخص اُن سے بولا، "آپ آگ کیوں نہیں بجھاتے؟ خالی بیٹھے کیا کر رہے ہیں؟"

اُن صاحب نے فوراً جواب دیا، "بھائی میں خالی کہاں بیٹھا ہوں، بارش کی دُعا کر رہا ہوں۔"

مرسلہ: محمد ظفر، محمد صابر، کراچی

★ ایک دفعہ ہاکی اور فٹ بال کی ٹیم ایک مینجر کی رہنمائی میں باہر کے ملکوں کے دورے پر روانہ ہوئی۔ جب دونوں ٹیمیں واپس آگئیں تو ایک دوست نے پوچھا، "کہیے کیا پوزیشن رہی؟"

مینجر نے کہا، "پوزیشن یہ رہی کہ ہاکی وہ جیت گئے، فٹ بال ہم ہار گئے۔"

مرسلہ: شہزادہ خاں، پشاور

★ ایک بچی وکیل صاحب کے گھر گئی تو اُن کے پاس بہت سی کتابیں دیکھ کر کہنے لگی، "چچا کیا آپ بھی لائبریری کی کتابیں واپس نہیں کرتے؟"

★ روز صبح ملا نصیرالدین کے یہاں ایک فقیر آتا تھا۔ آخر تنگ آکر مُلّا نے ایک دن اس سے پوچھا، "تم کون ہو؟" فقیر نے کہا، "اللہ کا مہمان۔" مُلّا فقیر کا ہاتھ پکڑ کر مسجد میں لے جاتا ہے

اور کہتا ہے، "معاف کرنا بھائی تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے، اللہ کا گھر یہ ہے۔"

مرسلہ: ارشد سعید منٹو، کراچی

★ فٹ بال کے دو مشہور کھلاڑی آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

پہلا: دوست! میں نے ایک دفعہ فٹ بال کے کِک ماری تو کوئی دو گھنٹے بعد واپس آئی۔

دوسرا: واہ! یہ کیسی بات ہے ایک دفعہ میں نے فٹ بال کے کِک ماری تو اگلے دن واپس آئی، اس پر ایک پرچہ لگا ہوا تھا کہ "آئندہ فٹ بال چاند پر نہ آئے۔"

مرسلہ: محمد عارف، کراچی

★ پہلا بے وقوف (دوسرے بے وقوف سے): شیر انڈے دیتا ہے۔

دوسرا بے وقوف (پہلے سے): نہیں شیر بچے دیتا ہے۔" ابھی دونوں میں تکرار جاری تھی کہ تیسرا بے وقوف ادھر سے گزرا۔ دونوں نے سارا ماجرا اس سے بیان کر دیا۔

تیسرے بے وقوف نے کہا: لڑو مت، شیر جنگل کا بادشاہ ہے، وہ جب چاہے انڈے دے اور جب چاہے بچے دے۔" (نامعلوم)

★ ایک دفعہ ملّا دوپیازہ ایک گاؤں میں پہنچا اور لوگوں سے کہنے لگا، "فوراً میرے کھانے کا بندوبست کرو ورنہ میں تمھارے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو پچھلے گاؤں والوں کے ساتھ کیا تھا۔"

لوگوں نے ڈر کے مارے اچھے اچھے کھانے پکا کر مُلّا دوپیازہ کے سامنے رکھ دیے۔

مُلّا جب پیٹ بھر کر کھا چکا تو لوگوں نے مُلّا سے پوچھا، "اب بتائیے! آپ نے پچھلے گاؤں والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟"

مُلّا نے کہا: "میں نے ان سے کھانا مانگا تھا مگر انھوں نے نہ دیا۔ میں اس گاؤں میں آ گیا۔ اگر آپ لوگ بھی اِنکار کر دیتے تو میں اگلے گاؤں چلا جاتا۔"

مرسلہ: معاذ احمد

★ ایک آدمی بہت تیز کار چلا رہا تھا۔ پولیس والے نے گاڑی روک کر اسے چالان کی دھمکی دی، پیچھے اس کی ماں بھی بیٹھی ہوئی تھی، اس نے کہا، "اس کا چالان نہ کرنا۔ ابھی تو یہ بچہ ہے، اس کا تو گاڑی کا لائسنس بھی نہیں ہے۔"

مرسلہ: نوشابہ فردوس صدیقی، کراچی

★ ایک شخص (اسٹیشن ماسٹر سے) ہنجاب پونے دس بجے والی گاڑی کب آئے گی؟"

اسٹیشن ماسٹر: بابا! ۹ بج کر ۴۵ منٹ پر۔

شخص: اُف! آج تو گاڑی بہت لیٹ ہے۔

مرسلہ: گوہر جمال زروبی، ضلع مردان

ایک ہوٹل میں بہت خراب کھانا پکتا تھا۔ ایک گاہک نے مینیجر سے شکایت کرنی چاہی۔ اس آدمی نے بیرے کو بلا کر پوچھا، "تمھارا مینیجر کہاں ہے؟" بیرے نے کہا، "جناب! وہ دوسرے ہوٹل میں ناشتہ کرنے گئے ہیں۔"

مرسلہ: عامر خلیل، اوپل گجرات

شاہ جہاں احمد رانا

# ندامت کے آنسو

رات بھر زور کی بارش ہوتی رہی تھی۔ اس وقت بھی آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ گرمیوں میں ایسا بھیگا بھیگا خوش گوار موسم کبھی کبھی آتا ہے۔ میں کھڑکی کے شیشے سے ناک ٹکائے باہر دیکھ رہا تھا جہاں ہمارے ہم جولی بارش میں اودھم مچا رہے تھے۔ انھیں دیکھ کر ہمارا دل بھی باہر جانے کے لیے مچل رہا تھا، لیکن امّی جان نے باہر جانے پر پابندی لگا دی تھی، کیوں کہ ان کے خیال میں بارش کی وجہ سے باہر پھسلن تھی، اِس لیے باہر جانے سے

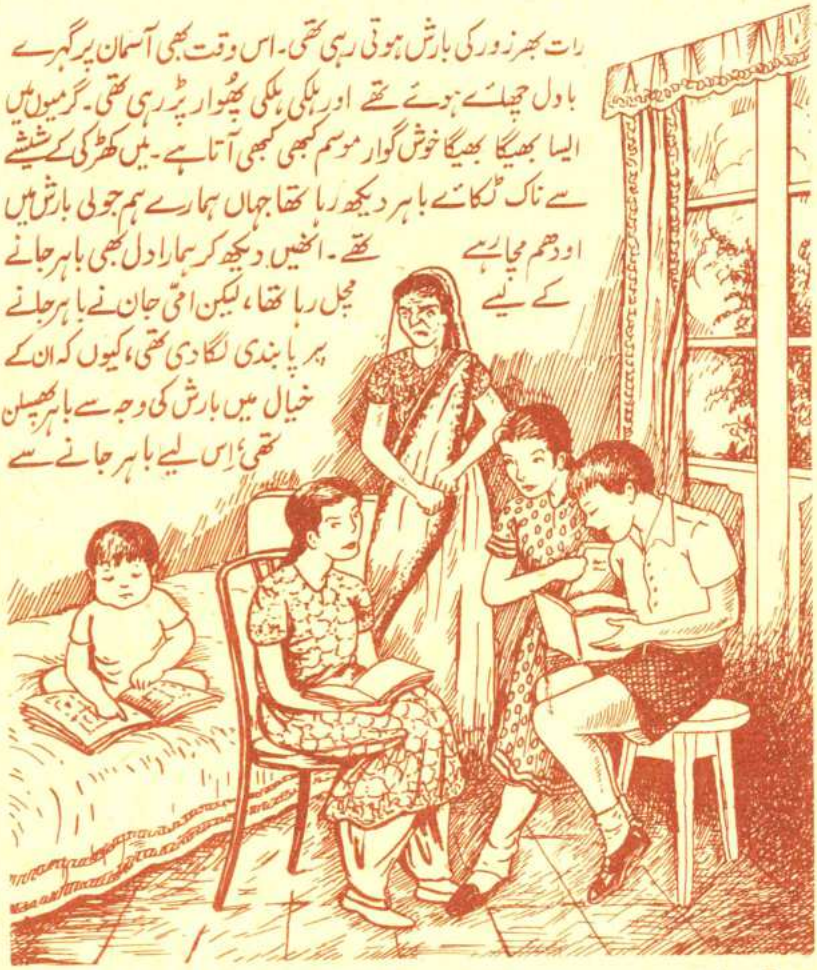

چوٹ لگ جانے کا اندیشہ تھا، دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ یہ وقت ہماری پڑھائی کا تھا۔ ہم چاروں بہن بھائی کمرے میں اداس بیٹھے تھے۔ امّی جان کے حکم کی خلاف ورزی بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ہمیں معلوم تھا کہ اگر ہم نے امی جان کے حکم کے خلاف ایک قدم بھی باہر نکالا تو شامت آجائے گی۔ خوب لیکچر ملے گا، ہو سکتا ہے کہ دھول دھپّے تک بھی نوبت آجائے۔ ہم چاروں بہن بھائیوں کا یہی خیال تھا کہ کسی طرح باہر نکل کر موسم سے لطف اندوز ہوا جائے، مگر باہر جانے کا کوئی آسان طریقہ ذہن میں نہیں آرہا تھا۔

میری چھوٹی بہن شاہین فردوس بار بار اُٹھ کر شیشوں سے باہر جھانکتی اور پھر کرسی پر بیٹھ کر کورس کی کتاب اٹھا کر صفحے پلٹنے لگتی۔ شاہدہ ناز گل کے سامنے کتاب پڑی تھی مگر وہ خود گڑیا کو دُلھن بنانے میں مشغول تھی۔ ننھا شازی ایک انگریزی رسالے کو اُلٹا پکڑے ورق گردانی کر رہا تھا۔ نزدیک ہی اس کا قاعدہ پڑا تھا۔ میں بھی کاپی پنسل ہاتھ میں لیے سوال حل کرنے کے بجائے باہر نکلنے کی ترکیب سوچ رہا تھا کہ اچانک امی جان کی آواز آئی۔ سب نے برق رفتاری سے اپنی اپنی کتابیں اُٹھالیں۔ شاہدہ ناز گل نے اپنی گڑیا اپنے بستے میں رکھ دی۔ ننھے شازی نے جو کہ پلنگ پر بیٹھا تھا، جھٹ تکیے کے نیچے رسالہ چھپا کر قاعدہ ہاتھ میں لے لیا اور الف سے انار ب سے بکری کی گردان شروع کر دی۔ امی جان نے ہمیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو مطمئن ہو کر واپس چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی سبھوں نے کتابیں رکھ کر اپنا اپنا شغل شروع کر دیا۔ باہر بچّوں کی آوازیں ہمارے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں اور ہم باہر جانے کے لیے بے قرار ہو رہے تھے۔ یکایک شاہین فردوس نے اپنی کتابیں میز پر پٹخی اور میرے قریب آکر سرگوشی کی، "بھائی جان! باہر جانے کی کوئی ترکیب سوچیے۔" ہم نے کہا کہ ہم بڑی دیر سے دماغ لڑا رہے ہیں۔ فی الحال تو.... خیر ہم دوبارہ سوچتے ہیں۔ ہم تھوڑی دیر کے لیے گہری سوچ میں ڈوب گئے پھر اُبھر کر بولے، "ترکیب آگئی۔"

"کیا؟" شاہین بے قراری سے بولی۔ میں نے جواب دیا، "ڈرائینگ رُوم کے عقبی دروازے سے باہر چلے جاتے ہیں تھوڑی دیر بعد واپس آجائیں گے۔ امّی جان کو خبر تک نہ ہوگی۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔" شاہین خوشی سے بولی۔ شاہین نے شاہدہ ناز کے کان میں اُسے پروگرام سے آگاہ کر دیا تھا، کیوں کہ ہم شازی کو یہیں چھوڑ کر جانا چاہتے تھے۔ ہم نے جلدی

سے اس ترکیب پر عمل کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ میں نے جلدی سے اپنی بوشرٹ اور بوٹ اتار پھینکے۔ شاہین اور شاہدہ ناز نے صرف اپنے اپنے بوٹ اُتار دیے۔ شازی حیرت سے ہماری اس کارروائی کو دیکھ رہا تھا، پھر اُس نے بھی جلدی جلدی اپنی قمیض اور بوٹ اُتار دیے۔

شاہین نے شازی کو پچکارتے ہوئے کہا" شازی! تم نے بہت پڑھ لیا ہے، اب تم سو جاؤ دیکھو، ہم سب بھی سوتے ہیں، امی جان کہہ کر گئی ہیں کہ ہم سب سو جائیں"۔ ہمیں معلوم تھا کہ اگر شازی کو ساتھ لے کر جایا جائے تو یہ آکر امی سے سب کچھ بتا دے گا اور اگر یہاں چھوڑا گیا تو یہ ہمارے جاتے ہی شور مچا دے گا کہ سب باہر چلے گئے ہیں، اِس لیے ہم نے یہی سوچا کہ پہلے اسے سُلا دیا جائے پھر باہر جائیں۔ ہم سب شازی کے سونے کا انتظار کرنے لگے۔ وہ تھوڑی دیر تک انگڑائیاں اور جماہیاں لیتا رہا پھر آنکھیں بند کر لیں۔ چند لمحے ہم بھی آنکھیں بند کیے لیٹے رہے۔ پھر میں اور شاہدہ ناز آہستہ آہستہ پلنگ سے اُترے اور شاہین جو شازی کے ساتھ تھی اسے بھی پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور خود جلدی سے دروازے سے نکلنے لگے، مگر اُسی وقت شازی کی آواز نے ہمیں چونکا دیا" کہاں جا لیے ہیں" (کہاں جا رہے ہیں) میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو شازی تکیے سے سر اُٹھائے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ میں نے جلدی سے بات بنائی" شازی دراصل میرے سر میں درد ہو رہا ہے، اس لیے میں اور شاہدہ ناز اٹھے ہیں، شاہدہ پانی کا گلاس بھر کر لائے گی اور میں گولی لے کر آؤں گا، دیکھو، باجی شاہین تو تمہارے ساتھ ہی لیٹی ہیں"۔ شاہین نے آنکھیں بند کر لیں اور ہم ڈرائنگ رُوم میں جا کر شاہین کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

چند ہی لمحے گزرے تھے کہ شاہین آگئی اور میں نے جوں ہی دھڑکتے دل کے ساتھ دروازے کی چٹخنی کھولی تو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی آرہا ہے۔ چٹخنی کی طرف بڑھتے ہوئے میرے ہاتھ بے اختیار رُک گئے، دِل دَھک دَھک کرنے لگا۔ شاہین نے گھبرائی ہوئی سی آواز میں کہا" شاید امی جان آرہی ہیں"۔ میں نے چاروں طرف دیکھا تاکہ چھُپنے کی مناسب جگہ نظر آجائے اور پھر سٹ پٹائی ہوئی آواز میں کہا کہ تم دونوں پردے کے پیچھے چھُپ جاؤ اور خود بجلی کی سی تیزی سے صوفے کے پیچھے رینگ گیا۔ قدموں کی آواز نزدیک آگئی، پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی کھڑا کمرے کا جائزہ لے رہا ہے۔ میں نے آہستگی سے صوفے کے پیچھے سے جھانکا تو سر پیٹ کر رہ گیا۔ شازی سامنے کھڑا آنکھیں پٹ پٹاتا ہوا چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے

سوچا، "اگر یہ واپس چلا گیا تو سیدھا جا کر امّی سے پوچھے گا کہ سب کہاں گئے؟" میں جلدی سے صوفے کے پیچھے سے نکل آیا۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھے کہتا وہ مجھے دیکھتے ہی بولا، "آپ یہاں کیا کل لیے ہیں؟ (آپ یہاں کیا کر رہے ہیں) میں نے جواب دیا، " شازی! دراصل ایک موٹا سا چوہا ہماری دوا کی گولی اٹھا کر لے گیا تھا، ہم اسے ڈھونڈ رہے تھے۔ لیکن تم ہمارے پیچھے کیوں چلے آئے؟" وہ بڑی معصومیت سے بولا، "میلے شر میں بھی درد ہے ــــ باجی کاں (کہاں) ہیں؟" ۔ پھر اس کی نظر شاہدہ کے پاؤں پر پڑ گئی جو پردے کے باہر دکھائی دے رہا تھا ــــ گھبرا کر ڈری ڈری آواز میں بولا، "واں کون ہے؟" ۔ میں نے جھنجھلا کر کہا، "تمھارا سر ہے، جاؤ، جا کر سو جاؤ ورنہ امّی جان ماریں گی"۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا بار بار اصرار کرنے لگا کہ پہلے بتائیے پردے کے پیچھے کون ہے؟ میں نے خوب رُعب جھاڑا، دھمکی مگر وہ کسی اڑیل ٹٹو کی طرح اڑ گیا۔ جب رعب خاک میں ملتا نظر آیا تو دل چاہا کہ ایک زنّاٹے دار تھپڑ رسید کر دوں، مگر مجھے یہ ارادہ ملتوی کر دینا پڑا، کیونکہ ایک تھپڑ کے بدلے میں امی جان کے کئی تھپڑ کھانے پڑتے۔ ناچار ہم نے کہا، " شاہین اور شاہدہ دونوں باہر آ جاؤ، یہ نہیں ٹلے گا"۔ پھر ہم شازی کو ساتھ لیے اپنے ساتھیوں میں شامل ہو گئے ــ کوئی پیپل کے نیچے بیٹھا تھا، کوئی جھولا جھول رہا تھا، کوئی نہا رہا تھا، کہیں پکوان ہو رہا تھا۔ بس مزے ہی مزے تھے۔ ہر طرف جل تھل ہو رہا تھا۔ گلی کوچے ندی نالے بن گئے تھے۔ ہر چیز نکھری نکھری اور شاداب لگ رہی تھی۔ ہم خوب نہائے۔ کچھ پرندے درختوں پر چُپ چاپ بیٹھے تھے۔ کچھ چھوٹے پرندے جو بھیگ کر نیچے آ گرے تھے، آفتاب اور سلیم انھیں پکڑ رہے تھے۔ اچانک کوئل کی کوکو سنائی دی۔ مجھے آم یاد آ گئے۔ آفتاب نے بتایا کہ کوئل آموں کے باغ میں بول رہی ہے، جہاں درخت آموں سے لدے ہوئے ہیں۔

سلیم نزدیک آ کر بولا، " آموں کے باغ میں چلتے ہیں"۔

میں نے کہا، " امی جان نے ہمیں کچے آم کھانے سے سختی سے منع کیا ہے"۔ آفتاب کہنے لگا کہ امی جان کو کیسے معلوم ہوگا جب کہ ہم گھر بتائیں گے ہی نہیں"۔

میں نے کہا، " پھر چلو"۔ سلیم بولا، " بھئی پہلے حلوہ کھا کر جائیں گے"۔ آفتاب نے کہا: " اولالچی لومڑ! آؤ باغ میں چلتے ہیں، خوب آم کھائیں گے اور جھولیاں بھر بھر کے ساتھ لے کر آئیں گے"۔ سلیم جو کھانے کا شوقین تھا کشمکش و پنج میں پڑ گیا کہ اِدھر جاؤں کہ اُدھر جاؤں۔ پھر کہنے لگا

"شاہی بھائی! میں گھر سے حلوے کے لیے چینی چرا لایا تھا، اب اگر حلوہ نہ پکا یا تو ضائع ہو جائے گی۔" میں نے اسے دلاسا دیا "ارے جب تک حلوہ پکے گا ہم واپس آجائیں گے۔" اس طرح اس کی عقل شریف میں بات آگئی اور میں شاہین، شاہدہ، شازی اور آفتاب روانہ ہو گئے۔

پانی میں چھینٹے اُڑاتے، ٹرٹراتے ہوئے مینڈکوں کا پتھر سے نشانہ بناتے، کھیلتے کودتے آخر کار ہم باغ کے قریب پہنچ گئے۔ اس وقت بارش رُک گئی تھی اور بادل چھٹ گئے تھے۔ نیلے نیلے آسمان پر اُودے اُودے بادلوں کی ٹکڑیاں تیرتی پھر رہی تھیں۔ ہم نے شازی کو اوپر اُٹھایا تاکہ وہ دیوار کے پار باغ کے چوکی دار کو دیکھے۔ شازی نے سہمی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا، "چوکیدار نہیں ہے۔" ہم آہٹ کیے بغیر دیوار کی آڑ میں دبے دبے قدموں سے چلتے ہوئے گیٹ کے قریب پہنچ گئے۔ میں سب سے آگے تھا۔ میں نے انھیں رُکنے کا اشارہ کیا اور خود گیٹ پر چڑھ کر دوسری جانب کُود گیا پھر کچھ دیر دم سادھے بیٹھا کچھ سننے کی کوشش کرتا رہا۔ جب یقین ہو گیا کہ چوکی دار نزدیک کہیں نہیں ہے تو پھر سیٹی بجا کر اپنے

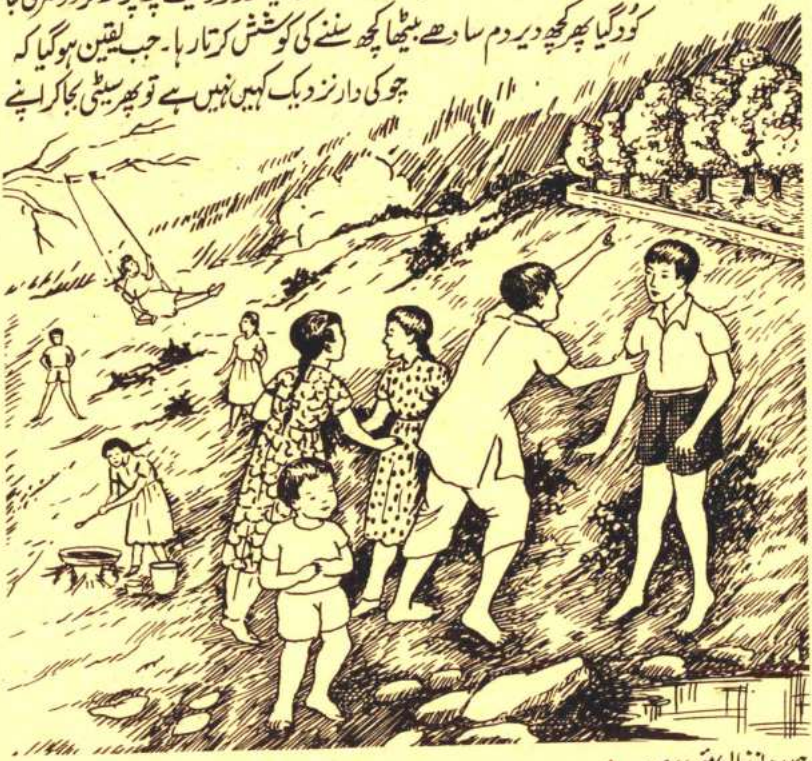

ساتھیوں کو اندر آنے کا اشارہ کیا، سلیم اور آفتاب گیٹ پھلانگ کر آ گئے اور شاہدہ، شازی گیٹ کی سلاخوں سے نکل کر اندر آتے۔ اب ہمارے بالکل سامنے آموں سے لدے ہوئے سرسبز درخت تھے جنھیں دیکھ کر ہم سب خوشی سے اچھلنے لگے۔ میں نے اُن سے کہا، "خاموش ہو جاؤ، ورنہ چوکی دار اگر آ گیا تو ساری خوشی دھری کی دھری رہ جائے گی۔"

سلیم بولا، "میں درخت کے اوپر چڑھوں گا۔" آفتاب جھٹ بولا، "موٹے اگر تُو اُوپر چڑھا تو درخت ہی نیچے آ گرے گا، لہٰذا میں چڑھوں گا۔" میں نے کہا، "تم جھگڑو نہیں درخت پر میں چڑھوں گا۔" یہ کہہ کر میں درخت پر چڑھ گیا۔ جب آموں سے لدی ڈالی کو پکڑا تو پتوں میں چھپی ہوئی بوندیں برس پڑیں جس سے یک لخت سب ڈر گئے۔ شازی تو پھدک کر دُور جا کھڑا ہوا اور سلیم گھبرائی ہوئی آواز میں اُدھر دیکھ کر بولا، "یہ ہم پر پانی کس نے پھینکا تھا؟" میں نے ہنستے ہوئے انھیں بتایا کہ یہ بارش کے قطرے گرے ہیں۔ میں نے جب آم توڑا تو سب للچائی ہوئی نظروں سے اوپر دیکھنے لگے۔ میں نے آم پہلے خود چکھا جس سے سلیم بے قرار ہو کر بولا، "جلدی جلدی آم پھینکو، ابھی واپس جا کر ہمیں حلوہ بھی کھانا ہے۔"

میں نے جوں ہی آم پھینکا سب ایک ساتھ شور مچاتے ہوئے آم پر جھپٹے۔ شازی نے جلدی سے اسے اٹھا لیا، لیکن سلیم سب کو دھکّے دے کر شازی سے آم چھین کر کچر کچر چبانے لگا۔ شازی چلّانے لگا، "بھائی جان! موٹا میلا (میرا) آم لے گیا۔"

شازی نے سلیم کی نیکر پکڑ رکھی تھی۔ میں نے غصّے سے کہا، "شازی بریک لگا زبان پر، اگر چوکی دار آ گیا تو سب پکڑے جائیں گے۔" یہ سُن کر سب خاموش ہو گئے جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

میں آم توڑ توڑ کر نیچے پھینکنے لگا اور میرے ساتھی اُٹھا اُٹھا کر جھولیاں بھرنے لگے۔ سب سے زیادہ آم سلیم نے لیے تھے جو دوسروں کا حصّہ بھی سمیٹ لیتا تھا۔

یکایک مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی آ رہا ہے۔ میرا دل گھبرانے لگا کہ کہیں چوکی دار نہ آ جائے، پھر وہی ہوا جس کے اندیشے سے ہمارا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ چوکی دار لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اسی جانب آ رہا ہے۔ وہ لمحہ بہ لمحہ قریب آ رہا تھا۔ اس اچانک افتاد پر کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟ میں نے خوف سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا، "چوکی دار آ رہا ہے۔" سلیم یہ سُن کر اچھل پڑا۔ اس کے تمام آم زمین پر گر پڑے اور چہرے پر کئی رنگ گزر گئے۔ سب کی آنکھیں دہشت سے پھٹنے لگیں، سب سہمی

ہوئی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ شازی تو رونے لگا۔ میں نے کہا "پیڑوں کے پیچھے چھُپ جاؤ،" شاہین شازی کو تقریباً گھسیٹتی ہوئی درخت کے پیچھے لے گئی۔ سلیم نے تیزی سے اپنے گرے ہوئے آم جھولی میں ڈالے اور جاکر دوسرے درخت کے پیچھے چھُپ گیا۔ سب پیڑوں کی آڑ میں ہوگئے۔ میں بھی پتوں کی اوٹ میں دبک گیا اور دل ہی دل میں "جل تُو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو" پڑھنے لگا۔ خوف ناک مونچھوں والا چوکی دار ہاتھ میں مولا بخش لیے جوں ہی درخت کے قریب آیا تو آم دیکھ کر وہیں ٹھٹھک کر رہ گیا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے لپکنے لگے۔ وہ چاروں طرف گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ اُسی وقت سلیم کو جانے کیا سُوجھی کہ درخت کے پیچھے سے سر نکال کر جھانکا۔ چوکی دار نے دیکھ لیا۔ وہ دہاڑا، "کون ہے؟"

یہ آواز سُن کر شازی چیخیں مار مار کر رونے لگا۔ چوکی دار نے آگے جاکر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اس نے سب سے پہلے سلیم کو کان سے پکڑا جو آنکھیں بند کیے درخت کے پیچھے چھُپا بیٹھا تھا۔ سلیم کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ شاہدہ بھی ڈر کر رونے لگی تھی۔ شاہین بولی، "وہ۔ وہ۔ وہ جی۔"

"کیا وہ جی؟" پٹھان چوکی دار غصے سے بولا۔

شاہین تھوک نگل کر بولی، "وہ جی ہماری مُرغی گم ہوگئی تھی ہم اُسے ڈھونڈ رہے تھے۔" آفتاب نے صفا جھوٹ بولا، "ہاں جی! بہت ڈھونڈا ہے مل ہی نہیں رہی۔"

سب نے آم درختوں کے پیچھے چھُپا دیے تھے، لیکن سلیم کی جھولی آموں سے بھری ہوئی تھی،

چوکی دار بولا، "ہوں! تم اِدھر کیوں آئی تھی؟"

شاہدہ بولی، "میرے ادھر پیسے گم ہوگئے تھے وہ ڈھونڈھ رہی تھی۔" پھر شازی سے بولا، "او! تم کیوں روتا ہے؟" شازی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

چوکی دار نے کہا، "تم چُپ کرو، ہم تم کو کچھ نہیں بولتا۔" اور شازی نے بریک لگا دیے۔ اُس نے اپنی جیبوں میں آم ٹھونسے ہوئے تھے۔ پھر چوکی دار نے سلیم کا کان مروڑتے ہوئے کہا، "تم ادھر بطخ ڈھونڈنے آیا تھا؟"

سلیم رونی صورت بنا کر بولا، "جج... جج۔ جی۔ مجھے تو کچھ پتا نہیں۔"

"ہوں، تمھیں کچھ پتا نہیں تو یہ جھولی میں کیا ہے؟" چوکی دار نے پوچھا۔

"یہ تو اوپر سے..." اس سے پہلے کہ سلیم میرا نام لیتا آفتاب نے سلیم کو زور سے کہنی کا ٹھونکا دیا۔

سلیم جلدی سے بولا، "اوپر سے اپنے آپ گرے ہیں۔"

"اپنے آپ گرنے لگے تھے یا تم نے اوپر چڑھ کر توڑے ہیں؟" چوکی دار نے کہا۔

سلیم بولا، "خدا کی قسم میں اوپر نہیں چڑھا تھا۔"

ادھر میرا دل خوف سے دھک دھک کر رہا تھا کہ کہیں سلیم بتا ہی نہ دے۔ چوکی دار نے کہا، "تم دونوں لڑکے مُرغا بن جاؤ۔" اور شازی کو مولا بخش دے کر کہا، "تم یہ ڈنڈا پکڑلو، جونہی یہ ذرا سا نیچے ہوں ان کو ڈنڈے سے مارو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں تم کو بھی کان پکڑوا کر ماروں گا،" اور شاہین اور شاہدہ سے بولا، "تم دونوں ایک دوسرے کے بال پکڑلو۔"

شازی ایک ہاتھ میں ڈنڈا لیے تھا جوں ہی آفتاب یا سلیم نیچے ہوتا شازی کا ڈنڈا دھپ سے اس کی پیٹھ پر لگتا اور سلیم ڈنڈے کی چوٹ پر اوئی.. اوئی کا شور مچاتا۔ شازی کے دوسرے ہاتھ میں آم تھا جسے وہ مزے لے لے کر کھا رہا تھا۔ چوکی دار قہقہے لگا رہا تھا اور شاہین کنکھیوں سے میری جانب دیکھ رہی تھی۔ شازی بار بار اوپر دیکھتا تھا اور سلیم بھی ٹانگوں کے نیچے سے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سوچ رہا ہوگا کہ شاہی کدھر گیا؟ اِدھر میں پتوں کی اوٹ میں چھپا یہ سوچ رہا تھا کہ اگر میری موجودگی کا راز فاش ہو گیا تو شامت آجائے گی، بلکہ قیامت آجائے گی۔ ہم بُرے پھنسے تھے۔ ابھی ہم بچ نکلنے کی کوئی ترکیب سوچ ہی رہے تھے کہ ہماری ناک میں کھجلی سی ہوئی پھر "آخ چھو" بڑے زور کی چھینک آگئی۔ ادھر چوکی دار کی مُسکراہٹ غائب ہوگئی۔ اس نے چونک کر اوپر دیکھا تو اس کا منھ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا، بولا، "خوچہ تمھارا مُرغی درخت پر بیٹھا ہے۔"

چوکی دار کی آواز مجھے اپنی رگوں میں گھستی ہوئی محسوس ہوئی۔ میرا خون خشک ہوا جا رہا تھا، گلے میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ پیروں کی جان نکلی جا رہی تھی اور میں گرتے گرتے بچا۔ میں نے ٹہنی کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ چوکی دار بولا، "تم گونگا ہے، جواب کیوں نہیں دیتا؟"

میں نے خوف و دہشت سے لپٹی ہوئی آواز میں کہا، "مم... مم... میں جی... میں نے جی ایک موٹا سا بل ڈاگ اِدھر سے گزرتے دیکھا تھا، اس کے خوف سے میں اوپر چڑھ گیا تھا۔" یہ سُن کر چوکیدار نے اتنی زور سے قہقہہ لگایا کہ پرندے اپنے گھونسلوں سے پھڑپھڑاتے ہوئے اُڑ گئے اور میرا رواں رواں لرز اُٹھا۔ چوکی دار نے شازی سے ڈنڈا لیا اور اپنی لمبی

لمبی خوف ناک مونچھوں کو تاؤ دے کر بولا، "نیچے اُترو۔"

میں نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے آم چھپانے کی کوشش کی مگر وہ میرے ہاتھ سے چھوٹ گئے۔ ایک سیدھا دھائیں سے چوکی دار کی ناک پر پڑا جس سے اس کی نکسیر پھوٹ گئی۔ وہ غصّے سے پاگل ہو گیا اور گرجتا ہوا بولا، "او خوچہ جلدی نیچے اُترو ہم تمھاری ہڈیاں توڑے گا۔"

یہ سُن کر شازی پھر رونے لگا۔ آفتاب اور سلیم کان چھوڑ کر تماشا دیکھنے لگ گئے۔ چوکیدار نے ایک ایک ڈنڈا انھیں لگایا اور کہا، "کان پکڑو۔" اور مجھے مولا بخش سے اشارہ کرتے ہوئے کہا، "فٹافٹ اُترو۔" ـــــ وہ غصّے سے آگ بگولا ہو رہا تھا اور خوف کے مارے میرا کلیجہ تھرّا رہا تھا اور نبضیں ڈوب رہی تھیں۔ میں کانپتے کانپتے نیچے اُترنے لگا تو بد قسمتی سے میرا پاؤں شہد کے چھتّے پر جا پڑا، بس پھر کیا تھا مکھیوں کا ایک غول بھنبھناتا ہوا اڑا اور میرے ننگے بدن پر سوئیاں سی چبھنے لگیں۔ میں درد سے چلّایا اور ڈالی میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور میں دھپ سے چوکی دار کے اوپر آ کر کندھے پر بیٹھ گیا جیسے گھوڑے پر سواری کرتے ہیں۔ شکر ہے زمین پر نہیں گرا ورنہ ضرور ہڈیاں ٹوٹ جاتیں۔ اب مکھیاں سب پر ٹوٹ پڑیں۔ چیخوں کے دھماکے ہو رہے تھے۔ سب چیخ رہے تھے۔ چوکی دار کی مونچھوں میں مکھیاں گھُس گئیں۔ چوکیدار بلبلاتا ہوا چنگھاڑ رہا تھا، "وائی۔ وائی، مرگیا۔" وہ کبھی ہوائی گھونسے چلاتا، کبھی ہائی جمپ لگاتا، کبھی لانگ جمپ۔ اس نے ہمیں زمین پر پٹخا اور چیختا چلاتا ہوا ایک طرف بھاگ گیا۔ مکھیوں کا پورا غول اُس کے پیچھے تھا۔ مجھے کوئی خاص چوٹ نہیں آئی تھی۔ میرے تمام ساتھی بھاگ گئے تھے۔ میں بھی اٹھ کر بھاگا۔ ڈر سے قدم رکھتا کہیں تھا پڑتا کہیں تھا۔ جب گیٹ سے باہر نکلا تو دیکھا سب بد حواسی میں بے تحاشا بھاگے جا رہے تھے۔ شازی چھوٹا ہونے کے باوجود سب سے آگے تھا۔ ہم اتنی تیزی سے بھاگے کہ شاید پوری زندگی میں ایسے تیز نہ بھاگے ہوں گے۔ بس ہواؤں اُڑے چلے جا رہے تھے، شاہدہ بھی تیز بھاگ رہی تھی۔ سب سے پیچھے سلیم تھا۔ موٹا ہونے کی وجہ سے اُس سے بھاگا نہیں جا رہا تھا۔ وہ بھوں بھوں کر کے روتا ہوا چلّا چلّا کر کہہ رہا تھا کہ مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ باقی سب نے چیخنا بند کر دیا تھا، لیکن سلیم ابھی تک بڑی بلند آواز سے چلّا رہا تھا۔ مجھے غصّہ آیا کہ کم بخت خواہ مخواہ بھوں بھوں کر کے رو رہا ہے اگر چوکی دار نے سُن لیا تو دوبارہ پیچھے آجائے گا۔ میں نے اس کے قریب جا کر کہا، "سلیم یہ ریں ریں بند کرو ورنہ میں تمھیں اڑنگا لگا کر زمین

پر پھینک دوں گا، اور ذرا جلدی بھاگو ورنہ ابھی چوکی دار آکر حلوہ بنا دے گا۔"

ابھی میرے منھ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ میرا پاؤں پھسلا۔ میں نے بچنے کے لیے سلیم کا سہارا لینا چاہا، مگر توازن قایم نہ رکھ سکا اور ہم دونوں شڑاپ سے پانی میں جا گرے۔ پگڈنڈی پر بھاگنا مشکل تھا۔ کسی نے پتھر سے ٹھوکر کھائی۔ کوئی کسی پودے سے اُلجھ کر گرا۔ پھسلن کی وجہ سے کوئی بھی گرنے سے نہیں بچا۔ راستے میں کتوں نے دیکھ لیا تو بھونک بھونک کر ہماری طرف لپکے۔ ہم ایک دفعہ پھر چیختے ہوئے بھاگے۔ اِسی طرح پھسلتے، گرتے پڑتے جب بستی کے قریب پہنچے تو کیچڑ میں لت پت تھے۔ ہمیں پہچاننا مشکل تھا۔ شازی تو رو رو کر ہلکان ہو رہا تھا، مگر سلیم کے رونے کی آواز تو میلوں تک سنائی دے رہی تھی۔ میں نے شازی کا کیچڑ بھرا آم لے کر پھینک دیا۔ شاہین کا دایاں اور شازی کا بایاں گال سوج کر کُپّا ہو گیا۔ شاہدہ کی ناک ڈبل روٹی بن گئی تھی۔ آفتاب کا چہرہ تو ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی سے لڑ کر آیا ہو اور کسی نے خوب گھونسے مارے ہوں اور مجھے کوئی پہلی بار دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ بھولو پہلوان آرہا ہے جو کیچڑ میں لت پت ہے۔ صرف ایک ہستی تھی جو صحیح سلامت تھی وہ ہستی تھی سلیم کی۔ جسے ایک مکھی نے بھی نہیں کاٹا تھا، لیکن وہ واویلا یوں مچا رہا تھا جیسے سارا چھتّا اس کے ہی چمٹ گیا ہو۔

ہمارے ہم جولی ابھی تک کھیل رہے تھے۔ سلیم نے ان کو دیکھا تو رونا بند کر دیا۔ شاید پوچھنے لگا تھا کہ میرے حلوے کا حصّہ کہاں ہے؟ — مگر جب سب کی نظریں ہم پر پڑیں تو وہ چیختے ہوئے بھاگے۔ سوچ رہے ہوں گے یہ عجیب و غریب مخلوق عجیب عجیب آوازیں نکالتی کہاں سے آگئی۔

جب ہم محلے میں داخل ہوئے تو تماشائیوں سے گلی بھر گئی۔ لوگ ہمیں حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ امی جان پریشان پریشان سی دروازے میں کھڑی تھیں۔ ابّا جان بھی غصّے میں بھرے نمودار ہوئے۔ اگر وہ ہمارا ڈھول کی طرح سوجا ہوا چہرہ نہ دیکھتے تو شاید تھپڑوں اور ڈانٹوں سے ہمارا استقبال کرتے، مگر انھیں ہماری حالتِ زار پر رحم آگیا۔ شازی نے تو کھانستے ہوئے نوّے میل فی گھنٹہ کی رفتار سے تمام واقعات ابّو جان کے گوش گزار کر دیے۔

ہم سب سر جھکائے کھڑے تھے۔ ابا جان نے کہا، "کچے آم کھانے سے شازی کھانس رہا ہے۔ بیٹے! تمھاری امی جان نے اسی لیے کچے آم کھانے سے روکا تھا کہ اسے کھانے سے انسان بیمار ہو جاتا ہے۔

(باقی صفحہ ۴۶ پر)

سلسلہ ۱۳۳

# معلوماتِ عامہ

مرتبہ: کھتری عصمت علی پٹیل

نیچے لکھے ہوئے سوالات کے جوابات ۲۰ مئی ۱۹۷۷ء تک ہمیں بھیج دیجیے اور اُن پر معلومات عامہ ۱۳۳ ضرور لکھ دیجیے۔ جوابات ایک کاغذ پر نمبروار لکھیے تصویر کے نیچے اپنا نام اور اپنے شہر یا قصبے کا نام بھی ضرور لکھیے صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام اور تصویریں جولائی ۱۹۷۷ء کے شمارے میں شائع کی جائیں گی۔

۱۔ سن ہجری کب شروع ہوا۔ عیسوی تاریخ اور سن بتائیے۔

۲۔ ٹیپو سلطان شہید کا اصل نام بتائیے۔

۳۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ یونیسکو کا صدر مقام کہاں ہے؟

۴۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں بیروت کس ملک کا صدر مقام ہے؟

۵۔ رُپے کا سکّہ کن کن ممالک میں رائج ہے؟

۶۔ پاکستان میں کتنے کیڈٹ کالج ہیں اور کہاں کہاں واقع ہیں؟

۷۔ رقبے کے لحاظ سے پاکستان کے سب سے بڑے اور سب سے چھوٹے صوبے کا نام بتائیے۔

۸۔ کیرٹ (قیراط) کس چیز کے تول کا پیمانہ ہے؟

۹۔ شہد کے چھتوں میں ہر سوراخ کی کتنی اطراف (SIDES) ہوتی ہیں؟

۱۰۔ دُنیا کا سرد ترین مقام کون سا ہے؟

بچّوں کے لیے ایک خوب صُورت تحفہ

# جاگو جگاؤ

حکیم محمد سعید کا مشہور و مقبول کالم
کتابی شکل میں

شائع ہو گیا

بچّوں کے سب سے مقبول اور پسندیدہ رسالہ ہمدرد نونہال میں حکیم محمد سعید ہر مہینے اپنا کالم جاگو جگاؤ لکھتے ہیں۔ اس کالم میں وہ اپنے مخصوص انداز میں بڑے کام کی باتیں لکھتے ہیں، وہ باتیں جو زندہ رہنے، ترقی کرنے اور کام یاب ہونے کا سلیقہ سکھاتی ہیں۔

جاگو جگاؤ کی زبان سادہ اور دل نشیں ہوتی ہے اور اس کو بچے، بڑے سب بہت شوق اور دل چسپی سے پڑھتے ہیں۔ دس سال کے کالموں میں سے انتخاب کر کے مسعود احمد برکاتی نے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے اور ۴۰ جواہر پاروں کو یکجا کر کے ایک دل کش کتاب مرتب کر دی ہے۔ پوری کتاب دو رنگ میں بہت عمدہ سفید کاغذ پر طبع کی گئی ہے۔ سرورق رنگین اور بچّوں کی تصویروں سے آراستہ ہے۔

جاگو جگاؤ ایک ایسا حسین اور قیمتی مجموعہ ہے جو آپ اپنے دوستوں کو بھی تحفے میں دے سکتے ہیں۔

قیمت: دو رُپے

پاکستان میں ہر اچھے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

ہمدرد اکیڈمی، ہمدرد سنٹر، کراچی ۱۸

# بزمِ نونہال

میں آپ کے رسالے کا تقریباً ۱۹۷۰ء سے مطالعہ کر رہا ہوں، اس وقت میری عمر سات سال تھی۔ نونہال کی کہانیاں اور حکیم محمد سعید صاحب کا سبق آموز کالم میرے ذہن پر چھا گیا۔ مجھے نونہال کے علاوہ اب سب رسالے بے کار لگنے لگے ہیں۔

(نوید کیانی، راولپنڈی)

مارچ کا رسالہ بہت پسند آیا۔ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ کہانیوں میں 'سونے کی کلھاڑی' 'آگے خطرہ ہے' اور 'پھیری والا' بہت پسند آئیں۔ میں اور میرے ساتھی شاہد اور جمیل اتنا اچھا رسالہ نکالنے پر آپ کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

(شہزاد طاہر، حیدر آباد)

پہلی بار نونہال میں شامل ہونے کی جسارت کر رہی ہوں۔ یہ رسالہ بے حد عمدہ ہوتا ہے۔ اس کی ایک ایک چیز مجھے پسند ہے، لیکن لطیفوں کے بارے میں مجھے ایک شکایت ہے وہ یہ کہ لطیفے اتنے بار سنے ہوئے ہوتے ہیں کہ انھیں پڑھ کر ہنسی نہیں آتی۔

(آسیہ رشید عادل، کراچی)

تقریباً تین سال سے نونہال پڑھ رہی ہوں لیکن رائے کے اظہار کا موقع نہ ملا۔ مارچ کا نونہال نہایت خوب صورت اور دل چسپ ہونے کے ساتھ ساتھ معلوماتی بھی تھا۔ "رُبالو کے کارنامے"، "آگے خطرہ ہے"، یہ دونوں کہانیاں سب کہانیوں کو مات کر رہی تھیں۔

(فرہاد صغیری، سیال کوٹ)

مارچ کا چمکتا دمکتا نونہال وقت سے پہلے ہی مل گیا۔ اتنی جلدی رسالہ شائع کر کے ایڈیٹر صاحب نے اپنی بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔

(فرحت آرا انصاری، کراچی)

ماہ مارچ کا رسالہ بہت دل چسپ تھا۔ ٹائیٹل بے حد خوب صورت۔ سب کہانیاں اچھی تھیں۔ اخبار نونہال بھی کافی دل چسپ اور معلوماتی تھا۔ پاکستان میں نکلنے والے تمام رسالے ستاروں کی مانند ہیں۔ ان سب کے بیچ میں نونہال چاند کی حیثیت رکھتا ہے۔ میری دُعا ہے کہ نونہال دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔

(زیبا عزیز، حیدر آباد)

مارچ کا شمارہ ملا، سرورق لاجواب تھا۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ خاص طور پر برکاتی صاحب کی "سونے کی کلھاڑی"۔ اس شمارے میں اپنا خط پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی مگر آپ نے صرف دو لائنیں شائع کیں۔

(روحی عنبرین، کراچی)

اب کے نونہال جلدی مل گیا۔ پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی، کیوں کہ یہی وہ واحد رسالہ ہے جو سب رسالوں سے اچھا ہے۔ نونہال میں وہ تمام باتیں ہوتی ہیں جو ہمیں ایک اچھا اور بڑا انسان بننے میں مدد دیتی ہے۔ ہم ۲۵ پیسے کا اضافہ بڑے شوق سے قبول کر رہے ہیں۔ (محمد عاقل، کراچی)

نونہال ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی بہت ہی اچھا تھا۔ یہ ایک بہترین رسالہ ہے۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ یہ رسالہ پاکستان کا واحد رسالہ ہے جو طلبہ کی اُمنگوں کو پورا کرتا ہے۔ ہمدرد انسائیکلو پیڈیا، اور دوسرے معلوماتی مضامین طلبہ کے نصاب کی رہی سہی کمی کو پورا کرتے ہیں۔

(فہیم الدین احمد، راولپنڈی)

نونہال ملا۔ بہت اچھا تھا۔ جاگو جگاؤ، پڑھا اور عہد کیا کہ ہمیشہ اچھی عادتیں اپناؤں گا۔

(مستقیم آفریدی، کراچی)

سب سے پہلے سرورق پر نظر پڑی، دل باغ باغ ہوگیا۔ اِس بار نونہال کی تمام کہانیاں اور مضمون اچھے تھے۔

(جمیل اعوان، کراچی)

اس دفعہ جس انداز سے آپ نے بزمِ نونہال میں نونہالوں کے خطوط شائع کیے ہیں، ایک بہتر انداز تھا۔ میری ناچیز رائے یہ ہے کہ آپ حلقۂ دوستی کا کالم بند کرکے اس کی جگہ اہم شخصیات کے انٹرویو شائع کریں جن کے حالاتِ زندگی پڑھ کر نونہالوں کے ذہن پر اچھا اثر پڑے۔

(شہناز بانو، کراچی، سید علی الدین احمد، کراچی)

حلقۂ دوستی، معلوماتِ عامّہ، نونہال ادیب وغیرہ مستقل عنوانات پاکستان بھر کے ہزاروں بچّوں کی پسند پر شروع کیے گئے ہیں اور اب تک ملک بھر میں پسند کیے جاتے ہیں۔ اِسی طرح ہر شمارے میں چند اہم شخصیتوں کے حالاتِ زندگی بھی دیے جاتے ہیں۔

حلقۂ دوستی کے فارم کب شائع ہوں گے۔

(امتیاز صادق، حیدرآباد، ظہور حسین، صلاح الدین، کراچی)

حلقۂ دوستی کا فارم اس مہینے کے شمارے میں شائع کیا گیا ہے۔

ہمدرد انسائیکلو پیڈیا اس دفعہ بہت دل چسپ اور معلوماتی تھا۔ اس میں بعض سوالات ایسے ہوتے ہیں کہ جن سے ہمیں اسکول کی پڑھائی کے نوٹس تیار کرنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

(عامرہ خانم، سیال کوٹ)

اس مرتبہ کا ٹائیٹل بے حد دل کش تھا۔ کہانیاں بہترین تھیں۔ اس مرتبہ بھی نونہال میں ایک غلطی تھی۔ آپ "طوطا" ہمیشہ ت سے لکھتے ہیں۔

(حبیب فخر، حبیب اوستو، کراچی)

"ط" کا حرف اُن لفظوں میں آتا ہے جو عربی سے اُردو زبان میں شامل ہوئے ہیں۔ توتا اصل میں ہندی زبان کا لفظ ہے۔ اِس لیے اسے ط سے لکھنا غلط ہے۔

ہر ماہ سورج کی طرح جگمگانے والے نونہال کی بزم میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہوں۔ اس میں کچھ خامیاں بھی ہیں۔ نونہال میں جاسُوسی اور پُراسرار کہانیاں کیوں نہیں شروع کرتے۔

(عذرا اسمٰعیل)

ہمدرد نونہال کا مقصد بچّوں کو روشن ضمیر بنانا اور انھیں ادب و تہذیب سکھانا ہے۔ اِس لیے اِس میں صِرف وہی چیزیں دی جاتی ہیں

جو بچوں کے لیے مفید ہوں۔

"سونے کی کلہاڑی" ہم نے پہلے بھی پڑھی ہے۔

(سید اعجاز کاظم نقوی، عارف قاسم پٹیل، کراچی)

دنیا کی پرانی اور بہترین کہانیاں ملکوں ملکوں میں بار بار نئے انداز سے لکھی اور پڑھی جاتی ہیں۔ جب بھی کوئی ادیب ایسی کہانی لکھتا ہے تو اس میں ادیب کے اندازِ تحریر کی خوبی سے نیا مزا اور نئی مٹھاس پیدا ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر ہمدرد نونہال میں جب بھی ایسی کہانی شائع ہو تو آپ اسے پڑھ کر ضرور لطف اٹھائیں گے۔

نونہال پاکستان کا سب سے اچھا رسالہ ہے۔ اس رسالے کو ہر امیر و غریب پڑھتا ہے، لیکن اب آپ نے اس کی قیمت میں اضافہ کر دیا۔ یہ غریب بچوں کے لیے ایک مشکل پیدا ہو گئی ہے۔ ذوالفقار علی شیخ، قمبر

ہمیں غریب بچوں کی مشکلات کا شدید احساس ہے۔ یہ اضافہ منافع کمانے کے لیے نہیں بلکہ خسارہ کم کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔

ہم نے نونہال پڑھا اور بے حد پسند آیا۔ میں نے سوچا کہ بہت اچھا رسالہ ہے، کیوں نہ سال کے لیے جاری کرا لیا جائے۔

احمد بخش، تونسہ شریف

پہلے آپ اپنے ہاں کے بک اسٹال سے لینے کی کوشش کیجئے۔ اگر وہاں سے نہ مل سکے تو اپنے ابا جان سے اس کی خرید اری کے لیے خط لکھوا کر بھیجئے۔

رسالہ پڑھا، دل باغ باغ ہو گیا۔ سب کہانیاں اچھی تھیں۔ پھیری والا، سو دن چور کے ایک شاہ کا" اور "سونے کی کلہاڑی" بہت اچھی کہانیاں تھیں۔

کاشف طارق پرویز خان، لیہ

میں دو سال سے رسالہ نونہال کا مطالعہ کر رہا ہوں لیکن اس میں حصہ پہلی بار لے رہا ہوں۔

ایم اختر علی، گوادر

مارچ کا نونہال پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ ٹائیٹل بے حد پسند آیا۔ بلند ہمت گگو اور نونہال ادیب کے تمام مضامین عمدہ تھے۔ (عنبر واسطی، راولپنڈی)

یہ رسالہ واقعی قابلِ تعریف ہے جس نے تمام رسالوں کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ طارق حسین، لاہور

نونہالوں کی دلچسپی اور خطوط کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ اس لیے جن نونہالوں کے خطوط شائع نہیں ہو سکے اُن کے نام لکھے جا رہے ہیں۔

پسنی (مکران) حیدر علی بلوچ۔ غفار پرویز بلوچ۔ گوادر (مکران) محمد یعقوب عابد۔ عبدالجلیل عارف۔ ھوشاب (بلوچستان) محمد اکرم سومرو۔ غلام حسین سومرو۔ زرد و بی (مردان) گوہر جمال۔ پشاور۔ غلام حسین احمد صدیقی۔ محمد حارث۔ آزاد کشمیر، طالب حسین۔ شیخوپورہ، محمد سلیم بھٹی۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ، محمد ذوالفقار ضیا۔ منڈی بہاؤ الدین، ایم اسلم ناز۔ ھارون آباد، محمد شعیب۔

قلعہ سوبھا سنگھ، جاوید اقبال دائم۔ مدھ پور کلاں، چودھری محمد مقبول طارق۔ کلور کوٹ، ملک خضر حیات۔ ملک وال، فاروق انجم۔ سرگودھا، افشاں مسرت چاند۔ بہاول نگر، سید شاہ رُخ۔ ساھیوال، فرحت عبّاس ہاشمی، طلعت محمود ہاشمی۔ گوجر خان، چودھری محمد ریاض۔ رِسال پور، خالد اقبال احمد۔ بیول (گوجر خان) فرحت حسین۔ کمان والا (سیالکوٹ)، جمیل الرحمان طاہر۔ حافظ آباد، محمد عباس انجم۔ لیاقت پور، پرویز عالم۔ جڑانوالہ، خواجہ ضیاء اللہ۔ بوُرے والا، میاں مزمل اللہ نظامی۔ منگلا، محمد یونس انجم۔ لائل پور، راؤ طاہر عزیز۔ جہلم، ظہیر الدین بابر۔ گجرات، عامر خلیل اُوپل۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان، قیفار احمد۔ ٹنڈو آدم، عبدالستار خان۔ مٹھڑی، غلام حسین سُومرو۔ ٹنڈو محمّد خان، ادریس خان گل، سیّد عبدالودُود۔ سکھر، انجم بانو، اشرف اللہ قریشی، عاشق جیوانی۔ ٹنڈو جام، یاسمین عمر۔ سانگھڑ، حیدر بخش عزیز۔ تسکار پور، ممتاز احمد، ایس، ایم ارشاد۔ میر پور خاص، محمد خیر...

لاھور، ارشد سعید، رفعت شاہین، طارق حسین، عامر، نائلہ بٹ۔ حیدر آباد، ایم اے بابو ناشاد، بر رفیاض زبیری، پھول کرن، شیخ عبدالقادر جلیل، سید وجاہت حسین، عادل فلک سیر، عبدالحمید خان، فرزانہ تبسم ملک، محمد اسمٰعیل قریشی، عقیل احمد، عامر عدنان، آفتاب عالم قریشی۔

## کراچی

ابوالاجلال، اسد اسماعیل۔ اشفاق احمد۔ اختر محمود الانہ۔ اصغری عابدہ۔ امجد حسین، انور محمود انصاری۔ انوار احمد۔ احمد مسعود۔ بتول مقصود۔ ثمینہ چغتائی۔ جالنس خان، جاوید رحمت۔ حبیب اسمٰعیل۔ حیدر رضا۔ حسام باسط۔ خواجہ عرفان الحسن۔ خیر النسا۔ خالدہ خان۔ رفعت اقبال، رفعت سراج، رملہ صادق، روشن ضمیر، روبینہ شاہین، روبینہ لوزین، رخشندہ ممتاز، سمیع اللہ کاہلوں، سید محمد آصف علی ترمذی، سید ناصر مہدی زیدی، سہیل احمد قریشی، سید عرفان ضیا ترمذی، سید مقبول احمد، سید کامران نقوی، سید جاوید انور رضوی، سید آصف علی واجد، سید مشتاق حیدر، سلیمان داجو، سید شکیل شاہد محمود، شگفتہ قادری، شفیق اکبر، شوکت علی بلوچ، شہزاد امین، شازیہ بدر، شہزاد الدین، شائستہ عرفان، شبانہ جمال، شگفتہ جمیل، صدیق اکبر، صابر سلیم، صغرا انجم، طارق احمد صدیق، ظہیر بابر عرفان، عارفہ قریشی، عامر فرحان، عبدالنعم ادیب، عرفانہ، عذرا انور، علی ارشد ہاشمی، عامر اقبال، عارفہ مشتاق، عبدالناصر، عرفان قریشی، عظمٰی ریاض، عبدالستّار سومرو، غزالہ یاسمین کاہلوں، فرزانہ رفیق، فرخ ارشاد، فرح زیدی، فوزیہ جمیل، قاسم علی قاسمی، کامران اختر، کامران نقوی، کہکشاں عروج، محمد شمس تبریز، مریم صادق، ممتاز عظمت، محمد عثمان بلو، محمد عرفان علی، ممریز خان، معین فخر معین ہمدانی، مسرت قادری، محمد مناف حبیب، محمد جمیل انصاری، محمد جمال صدیقی، محمد جعفر کھتری، محمد عمر، محمد عبداللہ شوخ اعوان، محمد فاروق گھانچی، محمد یٰسین، محمد ایوب خان پریمی، محمد ناصر علی، منیرہ بانو، نوشابہ فردوس آشی، ناہید ناز، نسیم اختر انصاری، نجیب احسن، نعیم احمد شریف، ناصر محمود۔ نگار جعفری، نازنین خان، وسیم احمد، ہارون سعید بلوچ۔

# اِس شمارے کے مشکل الفاظ

عَصا لاٹھی

مَطبَخ باورچی خانہ

اَمان پناہ

باب (۱) دروازہ (۲) کتاب کا حصّہ

فَصِیل شہر کے اردگرد کی دیوار۔ شہر پناہ۔

سستانا تھوڑی دیر آرام کرنا۔

ڈھارس تسلّی، سہارا

طَباعَت چھپائی

کُندا بندوق کا پچھلا حصّہ جو لکڑی کا بنا ہے۔

مُفسّر تفسیر کرنے والا، کھول کر بیان کرنے والا۔

تَوَہُّم پرستی وہموں پر یقین رکھنا، خیالی باتوں پر یقین کرنا

خُرافات بے کار باتیں، بے ہودہ باتیں۔

رَزمیہ۔ رَزم یعنی جنگ سے تعلّق رکھنے والا (قصّہ، نظم وغیرہ)

رَتھ۔ ایک قسم کی دو پہیا گاڑی جس میں گھوڑے یا بیل جوتے جاتے ہیں۔

کَنی۔ ہیرے کا باریک ٹکڑا، ٹوٹا ہوا چاول کا دانہ۔

بے مَصرف۔ جس کا مَصرف یعنی خرچ یا خرچ کرنے کا کوئی مقصد نہ ہو۔ بے فائدہ۔

مَبَاحِث۔ بحث کی جمع یعنی بحث کرنے کے موضوع۔

رَصَدگاہ۔ وہ جگہ جہاں سے چاند تارے دیکھے جاتے ہیں۔

اِجمال۔ اختصار۔ تھوڑے لفظوں میں پورا مطلب بیان کرنا۔

قِندِیل۔ ایک قسم کا فانوس جس میں چراغ جلاتے ہیں۔

کاہی رنگ۔ سوکھی گھاس کا رنگ جس میں ذرا سیاہی ہو۔

مُنعَکِس وہ شعاع جو اُلٹ کر آئے۔

جُھرمَٹ بھیڑ۔ جمگھٹا

اِرتقا۔ ترقی، مخلوقات کا ادنا درجے سے اعلا درجے کی طرف بڑھنا۔ مِعیَاری مقررہ، اندازے پر پوری اترنے والی چیز۔

بوکھلانا گھبرانا، بدحواس ہو جانا۔

مُفاہَمت ایک دوسرے کے مسئلوں کو سمجھنا۔

شاہ راہ (شاہراہ) بڑی سڑک۔

فرداً فرداً۔ الگ الگ

دیومالا۔ قدیم زمانے کے دیووں اور دیوتاؤں کے سُنے سنائے قصّے۔ فَردا کل، جو آئے گی۔

فَلَق صبح کا اُجالا

عُرُوج بلند ہونا، بلندی پر پہنچنا۔

عَرشہ بحری جہاز کی چھت

تَراشیدہ چھیلا ہوا، گھڑا ہوا، بنایا ہوا۔

اِمروز آج

غوّاص پانی میں غوطہ لگانے والا۔

بَدّو عرب کے صحرائی باشندے

بالیدگی بڑھنا، نشوونما پانا۔

# نونہال مُصوّر

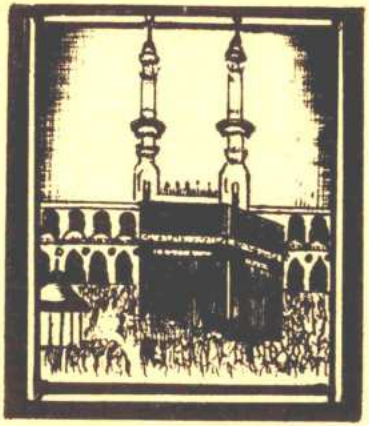

شکیل احمد شیخ ۔ کراچی

گوہر جمال زروبی، مردان

الزا اسٹیفن۔ کراچی

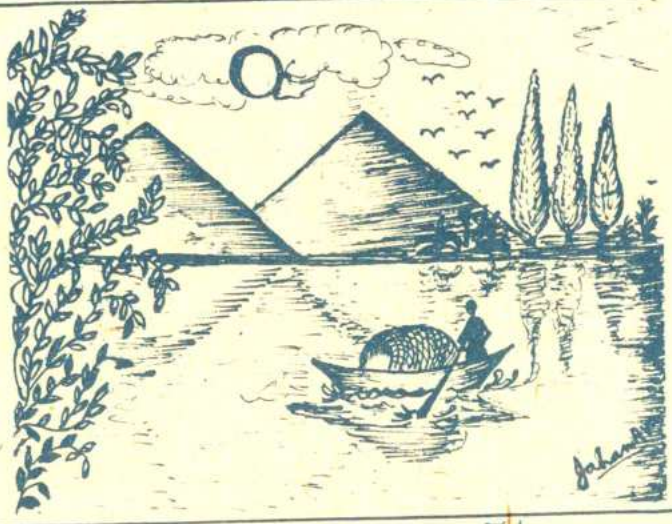



جمال آرا ———— طرابلس لبیا

# صحت مند نونہال

شمشاد احمد خان ندیم، کراچی

کرن بے بی، کینیڈا

قمر عالم قریشی، شہداد پور، سندھ

الہلام چاندنی، کراچی

حسین الحق عثمانی، کویت

جمیل اعوان۔ کراچی

علی رضا چنگیزی، کراچی

محمد سلیم ادریس۔ حیدرآباد

محمد اقبال حسین قریشی، حیدرآباد

محمد عارف قاسم، کراچی

عارف محمود، میرپور خاص

ایم قاسم محمود، شکارپور

سید نجم الاسلام، ساہیوال

راحیل احمد صدیقی، کوئٹہ

سرفراز احمد، نواب شاہ

احمد جان کراچی

# بڑھتی عمر اور مضبوط تر دانت

صحیح نشوونما کے لئے غذا کو اچھی طرح چبانے اور اس کو ہضم کرنے کی قوت بے حد ضروری ہے۔ لیکن خود اس کا دارومدار مضبوط اور صحت مند دانتوں پر ہے۔ دانت اُسی وقت مضبوط، صحت مند اور خوبصورت رہ سکتے ہیں جب ان کی صحت اور صفائی کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔

عمدہ دانت زندگی بھر کے ساتھی ہوتے ہیں۔

اُن کی پوری پوری حفاظت ہمدرد منجن سے کیجئے۔ ہمدرد منجن گہرائی تک پہنچ کر ان کی صفائی کرتا ہے۔ دانتوں کو کیڑا لگنے سے بچاتا ہے۔ مسوڑھوں کی مالش کرتا ہے اور مُنہ کی بدبو کو دور کرتا ہے۔ اس کی ہلکی ہلکی ٹھنڈک اور خوشبو بڑی دلپسند ہے۔

## ہمدرد منجن

مسکراہٹ میں کشش اور دانتوں میں سچے موتیوں کی چمک پیدا کرتا ہے۔

ہمدرد

ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان

کراچی — لاہور — راولپنڈی — پشاور

# نونہال ادیب

## حمد

طارق ایوب، بنوں

تُو غفور الرحیم ہے یارب
تُو ہی سب سے عظیم ہے یارب
تیرا رحم و کرم ہی بالا ہے
تُو ہی ربِّ کریم ہے یارب
تیری ہر بات میں ہے اِک حکمت
تُو قدیر و حکیم ہے یارب
جانتا ہے تُو دل کی ہر اک بات
ذات تیری علیم ہے یارب

## دیر سے پہنچا

غفار پرویز، پسنی

جو پہنچو گے تم دیر سے مدرسے میں
تو ہر دم رہو گے نئے مخمصے میں
سَدا مار کھاؤ گے جُرمانہ دو گے
سبق پہلے گھنٹے کا پورا نہ لو گے
رہے گی تمھاری پڑھائی اَدھوری
کمی تم سے ہرگز نہ ہو گی یہ پُوری
جو اسٹینڈ اپ تم سے ٹیچر کہے گا
تو فوراً کھڑا تم کو ہونا پڑے گا
چڑائیں گے نکّو تمھیں سارے ساتھی
بلا کی ندامت اٹھانی پڑے گی

# سچا دوست

غزالہ کنول، کراچی

روایت ہے کہ بصرے میں ایک سوداگر رہتا تھا، اس کا ایک ہی بیٹا تھا جو بڑے ناز و نعم میں پلا تھا۔ لاڈ و پیار کی وجہ سے وہ بہت فضول خرچ ہو گیا تھا جب وہ جوان ہوا تو سوداگر نے اس کا ماہانہ خرچ مقرر کر دیا۔ سوداگر کے بیٹے نے یہ تمام رقم اپنے دوستوں پر خرچ کر دی اور ایک روز مقروض ہو کر باپ کے پاس آیا۔ باپ نے پوچھا، "میں نے جو رقم تمھیں دی تھی وہ کیا ہوئی؟"

بیٹے نے جواب دیا، "میں نے اپنے دوستوں کی خوشنودی کے لیے خرچ کر دی۔"

سوداگر نے پوچھا، "تمھارے کتنے دوست ہیں؟"

بیٹے نے جواب دیا، "تین گہرے اور بہت سے دوسرے۔"

باپ چلا اٹھا، "بیٹے، ذرا سوچو، تم انھیں اپنا دوست کہہ رہے ہو جو تمھارا پیسہ چاپلوسی کر کے کھا جاتے ہیں، مجھے دیکھو اتنی عمر ہونے کے باوجود مجھے دو اچھے دوست نہیں مل سکے۔ اس دعوے کے ثبوت میں میں تمھارے سامنے ایک تجربہ کروں گا تاکہ کچھ سبق حاصل کر سکو۔" یہ کہہ کر سوداگر نے ملازم کو ایک بھیڑ خرید کر لانے کا حکم دیا۔ سوداگر نے بھیڑ کو ذبح کر کے خون سے اپنے ہاتھ اور کپڑے رنگے اور کمرے کے ساز و سامان پر بھی چھڑک دیا پھر بھیڑ کے ٹکڑے کر کے سفید چادر میں اس طرح باندھ دیا کہ یوں لگتا تھا جیسے کسی شخص کی لاش پڑی ہے۔

کچھ دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی اور سوداگر کا ایک بظاہر اچھا دوست اندر داخل ہوا اور خون کے بارے میں پوچھا، سوداگر نے بتایا کہ اُس نے شہر کے قاضی کو غصے میں قتل کر دیا ہے۔ اس نے اس سے مدد طلب کی، لیکن یہ دوست واقعہ سنتے ہی بھاگ کھڑا ہوا۔ رفتہ رفتہ کئی دوست آئے لیکن سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ بصرے کے گورنر کو جب واقعے کا علم ہوا تو اس نے سپاہی بھیجے اور وہ باپ اور بیٹے کو گرفتار کر کے لے چلے۔ راستے میں وہ ایک دکان کے سامنے سے گزر رہے تھے، ایک شخص اُٹھ کر آیا اور افسر سے اس کی گرفتاری کی وجہ پوچھی۔ جب اسے واقعات کا علم ہوا تو وہ چلا اٹھا، "میرا دوست اس جُرم کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ میں تمھیں خوں بہا کے طور پر ایک ہزار دینار دینے کو تیار ہوں، تم اسے چھوڑ دو۔" افسر نہ مانا تو اُس نے رقم دُگنی کر دی یہاں تک کہ رقم اتنی زیادہ ہو گئی اب آگے بڑھنا دکان دار کی استطاعت سے باہر تھا۔ وہ سوداگر سے مخاطب ہو کر بولا، "میرے دوست، گواہ رہنا میں نے اپنی ہر چیز تمھیں بچانے کے لیے داؤ پر لگا دی ہے۔"

سوداگر نے اس کا شکریہ ادا کیا اور وہ لوگ آگے بڑھ گئے۔ راستے میں سوداگر نے بیٹے سے کہا، "یہ میرا پورا نہیں بلکہ ادھورا دوست ہے۔"

جب وہ محل کے قریب پہنچے تو ایک عالی شان عمارت میں سے ایک آدمی تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا آیا اور افسر سے صورتِ حال پوچھی۔ اسے جب واقعات کا علم ہوا تو اس نے سپاہیوں سے کہا کہ تم بے گناہوں کو گرفتار کر کے لے جا رہے ہو، قتل تو میں نے کیا ہے۔ سپاہیوں نے باپ بیٹے کو تو نہیں چھوڑا البتہ نئے قاتل کو ضرور گرفتار کر لیا۔ پھر یہ محل میں پہنچے اور گورنر کو اطلاع دی۔ گورنر بہت حیران ہوا اور سوداگر سے صحیح صورتِ حال دریافت کی۔ سوداگر نے تمام واقعات گورنر کے گوش گزار کر دیئے اور بیٹے سے کہا،

"تم اِس شخص کو دیکھ رہے ہو، یہ میرا پورا دوست ہے۔"

گورنر نے پوچھ گچھ کر کے سب کو رہا کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد سوداگر کے بیٹے نے تمام دوستوں کو چھوڑ دیا اور سچے دوست کی تلاش میں نکل پڑا لیکن باپ کے ڈیڑھ دوستوں کے مقابلے میں اسے آدھا دوست بھی نہ ملا۔ غالباً وجہ یہ تھی کہ باپ بیٹے کے درمیان ایک نسل کا فرق حائل ہو چکا تھا۔

## شیشہ

بشیر احمد راہی، میرپور خاص

شیشہ پُرانے زمانے میں فینقی قوم نے بنایا تھا ایک دفعہ وہ کسی جزیرے پر اُترے تو انھوں نے ایک چمک دار اور سخت چیز چولہے کی تہہ میں پڑی دیکھی۔ وہ لوگ چولھوں میں پتھر جمع کر کے اور ریت پر انھیں رکھ کر کھانا پکایا کرتے تھے۔ چولھے میں وہ چیز جم گئی تھی۔ انھوں نے جن پتھروں کو چولھا بنانے کے لیے استعمال کیا تھا ان میں سوڈا بڑی مقدار میں موجود تھا۔ یاد رہے، ریت، سوڈا اور آگ کی گرمی تینوں چیزیں مل کر شیشہ بناتی ہیں۔ ان لوگوں نے شیشے کی صنعت کا آغاز کیا اور باقاعدہ اس کی تجارت کرنے لگے۔ مصریوں نے بھی اس میں دل چسپی لی، وہ اس سے سُرخ، سبز، نیلے اور سفید رنگ کے منکے بنا کر دھاگوں میں پروتے اور زیورات کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

سب سے پہلے شیشے کے برتن قدیم رومیوں نے بنائے۔ وہ دیواروں کو شفاف اور چمک دار بنانے کے لیے ان پر بھی شیشے کی ایک تہہ چڑھا دیتے تھے۔ کھڑکیوں میں شیشے بطور ڈیزائن استعمال کرتے تھے۔ یورپ کے کئی ممالک نے شیشہ سازی کا فن حقیقت میں رومیوں سے ہی سیکھا اور مسلمانوں نے یہ فن اسپین والوں سے۔ رنگین شیشے مختلف قسم کی چیزوں اور شیشے میں کیمیائی مرکبات کی آمیزش سے بنتے ہیں۔ یہ بڑی اہم اور کارآمد چیز ہے۔ فرانس، اٹلی اور جرمنی نے شیشے کی ترقی میں بڑی کام یابی حاصل کی۔ برتن بنانے کے سخت شیشے میں چُونے کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ لیڈ آکسائیڈ ملانے سے شیشہ بہت خوب صورت بنتا ہے۔ اور پھر اس

کی مدد سے مصنوعی جواہرات، دوربین اور خوردبین کے شیشے بنتے ہیں۔ ٹیسٹ ٹیوب، آلاتِ جراحی اور ادویات کے برتن بھی اکثر و بیشتر شیشے کے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ کیوں کہ عام طور پر دھاتوں کی طرح شیشے پر کیمیائی عمل واقع نہیں ہوتا۔ آج کل شیشہ روزمرّہ زندگی میں اہم حیثیت کا حامل ہے۔

# معیارِ تعلیم کی پستی

انوار المقتطرہ ہاشمی، کراچی

علم ایک ایسا خزانہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ یہ انسان کے عقل و شعور میں اضافہ کر کے ہمارے ذہنوں کی تربیت کرتا ہے۔ جب طالبِ علم درس گاہ میں پڑھنے جاتا ہے اور علم حاصل کرتا ہے تو اسے نئی نئی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ یہ زمانہ اس کی عمر کا اہم ترین حصّہ ہوتا ہے، کیوں کہ اسی زمانے میں اس کے ذہن کی تربیت کی بنیاد پڑتی ہے اور اگر یہ بنیاد شروع ہی سے پڑ جائے تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ آئندہ ایک ذی شعور شہری بن سکتا ہے۔

پہلے زمانے کے مقابلے میں آج کل کے طلبہ اپنی تعلیم کے معاملے میں اتنے سنجیدہ نہیں ہوتے۔ آج کل کے طالب علموں کے لیے اسکول یا کالج جانا صرف ایک تفریح بن کر رہ گیا ہے۔ وہ پڑھائی کو محض کھیل سمجھتے ہیں اور تعلیم حاصل کرنے کے بجائے اِدھر اُدھر کی باتوں میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں اور جب امتحان کا وقت قریب آتا ہے تو نقل کرنے کی سوچتے ہیں۔

ہمارے ملک میں تعلیم کا معیار بڑی تیزی سے گر رہا ہے۔ اس کی اصل وجہ صرف یہ ہے کہ طلباء اب حصولِ علم کو فوقیت دینے کے بجائے دوسری سرگرمیوں میں زیادہ حصہ لینے لگے ہیں۔ بے شک تعلیم کے ساتھ ساتھ دوسری سرگرمیوں میں بھی حصہ لینا چاہیے، مثلاً: کھیل، مباحثے وغیرہ۔ لیکن اولیت بہر حال اگر تعلیم کو دی جائے تو پھر معیارِ تعلیم کے گرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

بعض لوگ معیارِ تعلیم کی پستی کی وجوہات میں محترم اساتذہ کو حصے دار بناتے ہیں، لیکن میری رائے یہ ہے کہ بیشتر استاد آج بھی اتنے ہی مخلص ہیں جتنے کہ پہلے تھے۔ وہ آج بھی پہلی جیسی لگن کے ساتھ تعلیم دینے کو تیار ہیں لیکن وہ طالب علموں سے صرف یہ چاہتے ہیں وہ شاگرد بن کر رہیں نہ کہ اساتذہ کی برابری کریں۔ اُستاد اور شاگرد کے درمیان احترام کا رشتہ قائم رہنا چاہیے۔

معیارِ تعلیم کی پستی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ شاگرد اپنے استاد کا ادب و احترام بھولتے جارہے ہیں اور بعض شرپسندوں کے آلۂ کار بن کر اپنے قیمتی وقت کو تعلیم حاصل کرنے میں صرف کرنے کے بجائے توڑ پھوڑ وغیرہ جیسی سرگرمیوں میں ضائع کر دیتے ہیں۔

میرے خیال میں اب بھی طالب علم چاہیں تو معیارِ

تعلیم کو بلند کر سکتے ہیں۔ وہ اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے زیادہ توجہ، لگن اور محنت سے حصولِ علم کی کوشش کریں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ کامیاب نہ ہوں۔

# سُفید بلّی

خواجہ ضیاء اللہ، جڑانوالہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ملک شام پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ وہ ان سب سے بڑی محبت سے پیش آتا تھا۔ بڑے شہزادے کا نام سلیم، منجھلے شہزادے کا نام نعیم اور سب سے چھوٹے کا نام فہیم تھا۔

بادشاہ اب بوڑھا ہو چکا تھا اس لیے اُس نے چاہا کہ اپنی جگہ کسی عقل مند شہزادے کا انتخاب کرے۔ چناں چہ اس نے ایک ترکیب سوچی اور اپنے تینوں بیٹوں کو اپنے پاس بلا کر کہا:

"میرے بیٹو! اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اس لیے میں نے سوچا ہے کہ تم تینوں کو ایک مہم پر بھیجوں جو اس مہم سے کامیاب لوٹے گا میں اسے اپنا جانشین مقرر کروں گا۔ اِس لیے اب تم تینوں اس مہم پر روانہ ہو جاؤ اور میرے لیے دُنیا کا خوب صورت گھوڑا لے آؤ۔"

چناں چہ تینوں شہزادوں نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا اور تین مختلف راستوں پر چل پڑے۔

چھوٹا شہزادہ سفر طے کرتا کرتا ایک گھنے جنگل میں پہنچ گیا۔ جنگل میں رات ہو گئی اور اتنا اندھیرا ہو گیا کہ شہزادے کو آگے جانے کا راستہ ہی نہیں دکھائی دیا۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی تو اسے دور ایک قلعے سے روشنی نکلتی دکھائی دی۔ شہزادے کی ڈھارس بندھی، اس نے خدا کا نام لیا اور قلعے کی طرف بڑھا۔ آخر کار وہ قلعے کے اندر داخل ہو گیا۔ وہ کئی کمروں سے ہوتا ہوا ایک کمرے میں پہنچا جہاں اُسے کرسی پر ایک سفید بلّی بیٹھی ہوئی دکھائی دی۔ بلّی شہزادے کو دیکھ کر اس کے استقبال کے لیے کھڑی ہو گئی۔ بلی نے کہا،

"شہزادے! میں جانتی ہوں کہ تمھیں تمھارے باپ نے دُنیا کا خوب صُورت گھوڑا لانے کو کہا ہے، تم میرے پاس ایک سال ٹھہرو، جب تمھارے جانے کا وقت آئے گا تو میں تمھیں دُنیا کا خوب صُورت گھوڑا دوں گی تم اُسے اپنے باپ کو دے دینا۔"

چناں چہ شہزادہ سلیم نے بلّی کا شکریہ ادا کیا اور ایک سال تک اس کے پاس رہنے کے لیے تیار ہو گیا۔ شہزادے کو بڑی بھوک لگ رہی تھی۔ سفید بلّی نے شہزادے کے لیے کھانا منگوایا۔ شہزادے نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ اِسی طرح دن گزرتے گئے جب شہزادے کو بلّی کے ساتھ رہتے ہوئے ایک سال ہو گیا اور اُس کے جانے کا وقت آ گیا تو سفید بلّی نے اس کو دُنیا کا خوب صورت گھوڑا دیا۔ شہزادے نے بلّی سے کہا، "اے پیاری بلّی! میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں تم بلّی کے رُوپ میں انسانی آواز کیسے نکالتی ہو؟"

بلّی نے کہا، "میں مصر کے بادشاہ کی لڑکی ہوں اور میرا نام شہزادی یاسمین ہے۔ آج سے تین سال پہلے مجھے ایک دیو نے اغوا کر لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں اُس سے شادی کروں۔ میرے انکار پر اُس نے مجھے اِس قلعے میں بند کر دیا ہے۔ اگر تم مجھے اس مصیبت سے چھٹکارا دلوا دو تو میں تمھاری بہت شکر گزار ہوں گی، اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم میرا سر تن سے جُدا کر دو۔"

چناں چہ شہزادے نے فوراً نیام سے تلوار نکال سفید بلّی کا سر کاٹ دیا۔ شہزادے نے دیکھا کہ اس کے سامنے بلّی کے بجائے ایک خوب صورت شہزادی کھڑی ہے۔

شہزادہ فہیم شہزادی یاسمین کو لے کر ملک شام کی طرف روانہ ہو گیا اور جلد ہی اپنے ملک پہنچ گیا۔

شہزادہ فہیم کے دونوں بڑے بھائی اپنے اپنے خیال کے مطابق دُنیا کا خوب صورت گھوڑا بادشاہ کو دکھا چکے تھے، مگر بادشاہ ان دونوں گھوڑوں کو دیکھ کر کچھ مطمئن نہیں ہوا تھا۔ جوں ہی اس نے شہزادے فہیم کو بادشاہ بنانے کا اعلان کر دیا، شہزادی یاسمین کو مصر بھیج کر مصر کے حاکم کے پاس شہزادہ فہیم کا رشتہ بھیجا۔ مصر کے بادشاہ نے جب یہ سنا کہ شہزادہ فہیم ہی نے شہزادی یاسمین کو دیو کے قید سے چھڑایا ہے تو اس نے شہزادی یاسمین کے لیے شہزادہ فہیم کا رشتہ قبول کر لیا۔ اس طرح شہزادی یاسمین کی شادی شہزادہ فہیم کے ساتھ ہو گئی۔

# بہترین مشغلہ

آمنہ بیگم، کراچی

مطالعہ سب سے بہترین مشغلہ ہے۔ کتابیں اور رسالے بہترین ساتھی ہیں۔ اچھے رسالوں کے مطالعے سے ذہنی صلاحیتیں بڑھتی ہیں۔ معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، خیالات میں پختگی آتی ہے، واقعات کی مناسبت سے ہمارے چہرے پر تاثرات قائم ہوتے ہیں۔ کبھی انسان مُسکراتا ہے، کبھی خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ بعض دل چسپ مناظر میں ہم اس قدر کھو جاتے ہیں کہ اپنے گرد و پیش کی خبر نہیں رہتی۔ شکار و تفریح کی کہانیاں پڑھتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ہم خود افریقہ کے جنگلوں میں گھوم رہے ہیں، کوئی خوں خوار شیر ببر ہم پر حملہ کرنے والا ہے اور ہم اپنے بچاؤ کی تدبیریں سوچ رہے ہیں۔ دل تیزی سے دھک دھک کرنے لگتا ہے، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے کمرے میں محفوظ طور پر آرام سے بیٹھے ہوئے ہمدرد نونہال کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ مطالعے کے دوران ہم مُلک ملک کی سیر کرتے ہیں اور وہ بھی اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے۔

مُطالعہ کے دوران عظیم شخصیتوں کے سوانح سے ہم اس قدر متاثر ہو جاتے ہیں کہ دل میں خود بہ خود شوق پیدا ہوتا ہے کہ ہم بھی محنت کر کے تاریخ میں اپنا نام پیدا کریں۔ تاریخی داستانیں پڑھنے سے ہم ماضی

سے واقف ہوجاتے ہیں۔ جو قابل ہستیاں گزری ہیں اُن کے کارنامے پڑھنے سے انسان میں بلند ہمتی اور بہادری و خودداری کی خصوصیات پیدا ہوتی ہیں جب مطالعے کے ذریعے ہمیں یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ مسلمان ایک غیرت مند قوم کا نام ہے جو صرف خدا کے سامنے سر جھکانا جانتی ہے تو ہمیں اپنا مرتبہ دوسروں سے بلند نظر آتا ہے۔ دل میں اس بلند مرتبے کی پائیداری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو ہمیں با اخلاق اور باہمت بنا دیتا ہے۔

اخباروں کا مطالعہ ہمیں دنیا بھر کی تازہ ترین خبروں سے باخبر رکھتا ہے۔ ہمیں اپنے ملک کی ترقی اور خوش حالی کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ دل چسپ کارٹون کو دیکھ کر لبوں پر خود بہ خود مسکراہٹ پھیل جاتی ہے۔ دل چسپ و مزے دار لطیفہ غمگین انسان کو بھی ہنسا دیتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ مطالعہ بہترین مشغلہ ہے۔ یہ کم خرچ بھی ہے اور دل چسپ بھی۔ اس سے ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق لطف حاصل کرسکتا ہے۔

## نتیجہ

واحد بخش پکھیڑو ٹھٹھہ

جو دن بھر کھیلتا رہتا تھا
جو سب سے لڑتا بھڑتا تھا

وہ فیل ہوا ہم پاس ہوئے

جو سب کی بُرائی کرتا تھا
جو سب کچھ خود کو سمجھتا تھا
جو نیک سلوک نہ کرتا تھا

وہ فیل ہوا ہم پاس ہوئے

جو خوب شرارت کرتا تھا
تعلیم سے نفرت کرتا تھا
کھیلوں سے محبت کرتا تھا

وہ فیل ہوا ہم پاس ہوئے

جو دیر سے پڑھنے جاتا تھا
اور واپس بھاگ کے جاتا تھا
جو باتیں روز بناتا تھا

وہ فیل ہوا ہم پاس ہوئے

جو بھائی بہن سے لڑتا تھا
ماں باپ کو دُکھ پہنچاتا تھا
استاد کے دل کو دُکھاتا تھا

وہ فیل ہوا ہم پاس ہوئے

## ضمیر کی آواز

محمد عامر، لاہور

نیکی کا حکم اور بُرائی سے روکنے کے فرض سے غفلت کا کیا نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔ اس کا اندازہ اس حدیث سے کیجئے جس کو پڑھنے کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے حضورِ پُر نور کو آج سے چودہ سو برس پیشتر ہمارے معاشرے کی تصویر دکھادی گئی تھی اور آپؐ اسے

دیکھ دیکھ کر صحابہؓ سے گفت گو فرما رہے تھے۔ آپؐ نے ایک روز صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اس وقت تمھارا کیا حال ہوگا جب تمھاری عورتیں سرکش (نافرمان) ہو جائیں گی۔ تمھارے نوجوان بُرے کام کرنے لگیں گے اور جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دیں گے۔

صحابہؓ نے حیران ہو کر حضورؐ سے دریافت کیا "یارسول اللہ! کیسا ایسا بھی ہوگا؟"

آپؐ نے فرمایا "کیا حال ہوگا تمہارا جب تم نیکی کا حکم دینا اور بُرائی سے روکنا چھوڑ دو گے؟"

صحابہؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ! کیا یہ بھی ہوگا؟"

فرمایا "خدا کی قسم اس سے بھی زیادہ۔ اس وقت تمھارا کیا حال ہوگا۔ جب تم نیکی کو بُرائی اور بُرائی کو نیکی کا درجہ دو گے؟"

صاحبہ کرامؓ حیران تھے کہ مسلمان کہلانے والے معاشرے میں ایک دن ایسا بھی آئے گا، وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ انھوں نے پھر پوچھا،

"یارسول اللہ! کیا ایسا بھی ہوگا؟"

آپؐ نے فرمایا "یہی نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوگا۔" اور پھر آں حضرتؐ نے برائیوں سے نہ روکنے کے آغاز کا یہ خوف ناک انجام بتایا کہ تم نیکی سے روکو گے اور بُرائی کی تبلیغ کرو گے۔"

صحابہ کرامؓ حیران تھے۔

اس حدیث کی روشنی میں اپنے ماحول پر نظر ڈالیے۔ آج کے دور میں بُرائیوں کو کتنے دل کش نام دیے گئے ہیں۔ اُسی حرام شراب کو آج کل تہذیب کی ترقی، آرٹ کی ترقی اور ثقافت کی ترقی کہا جاتا ہے۔ جو شخص نیکی کی تبلیغ اور تلقین کرے اسے دقیانوسی قرار دیا جاتا ہے۔ آج جُوے کو ریس کا نام دیا جاتا ہے، سُود کو منافع کہا جاتا ہے۔ رشوت "خدا کا فضل" بن چکی ہے۔ آج بُرائی اسلام کی "عالم گیر" پابندیوں سے آزاد ہے اور اس کی سینماؤں اور ریڈیو کے ذریعے نشر و اشاعت کی جاتی ہے۔ لیکن نیکی قید میں ہے۔ اس کی راہ میں ہزاروں طرح کی رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی ہیں۔

پیارے دوستو! یہ میرے ضمیر کی آواز ہے۔ اُٹھیے اور معاشرے کو بُرائی کے خوف ناک دلدل اور ہیبت ناک گڑھوں میں گرنے سے بچائیے۔

## ہوشیار لڑکی

قمر زہرا، کراچی

نیلوفر ایک چالاک اور ذہین لڑکی تھی۔ اس کے باپ ایک بڑے آفیسر تھے۔ ایک رات جب نیلوفر کے گھر کے تمام افراد گہری نیند سو رہے تھے۔ ان کے گھر دو ڈاکو آئے۔ کھٹکے سے نیلوفر کی آنکھ کھل گئی نیلوفر نے جب ڈاکوؤں کو دیکھا تو بالکل نہیں گھبرائی۔ آرام

سے آنکھیں بند کیے لیٹی رہی، کیوں کہ اگر وہ آنکھ کھولتی یا حرکت کرتی تو ڈاکو سمجھتے کہ یہ جاگ رہی ہے۔ ادھر ایک ڈاکو نے دوسرے ڈاکو سے کہا کہ آؤ ہم کام شروع کر دیں۔ تم اپنی جیب سے رومال نکال کر ان لوگوں کو بے ہوش کرنا شروع کر دو۔ جب وہ ڈاکو نیلوفر کے پاس آیا اور رومال اس کی ناک پر لگایا تو نیلوفر نے اپنی سانس روک لی، اس طرح وہ بے ہوشی کی دوا نہ سونگھ سکی۔ جب ڈاکوؤں نے دیکھا کہ سب بے ہوش ہو گئے ہیں تو انھوں نے کمرے کی چیزیں سمیٹنی شروع کر دیں۔ یہاں کی چیزیں سمیٹنے کے بعد جب وہ دوسرے کمرے میں گئے تو انھوں نے اس کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ نیلوفر نے بھی چپکے سے اُٹھ کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ ڈاکوؤں کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ پکڑے جانے والے ہیں۔ ادھر نیلوفر دروازہ بند کرنے کے بعد گھر سے نکلی اور چور چور کا شور مچا کر سب کو جگا دیا۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو اس نے تمام واقعہ کہہ سنایا۔ ان میں ایک شخص نے پولیس کو ٹیلے فون کر دیا تھا، تھوڑی دیر میں پولیس آگئی اور ڈاکوؤں کو گرفتار کر لیا۔ پولیس ان ڈاکوؤں کی تلاش میں تھی اور ان کو گرفتار کرنے کے لیے اعلان بھی کیا گیا تھا۔ انسپکٹر کو جب یہ معلوم ہوا کہ نیلوفر نے ان ڈاکوؤں کو گرفتار کرایا ہے تو اُسے انعام کے علاوہ دعوت بھی دی گئی۔

دیکھا آپ نے، نیلوفر اس مشکل میں گھبرائی نہیں، اور عقل مندی سے کام لیا جس کی وجہ سے ڈاکو اس کے گھر کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ ہمیں بھی مشکل وقت میں گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ ٹھنڈے دل سے سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیے تاکہ مصیبت ٹل جائے۔

# آداب

شیخ آفتاب شاہین۔ جھنڈو

ایسی پسندیدہ حرکات و سکنات جن کا اظہار کر کے ہم ہر وقت اپنے رشتے داروں اور دوستوں کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں، آداب کہلاتی ہیں۔ اسلام نے ہمیں پیدائش سے لے کر موت تک کے آداب سکھائے ہیں۔ اور کوئی محل ایسا نہیں، جس کے حسبِ حال آداب کی تعلیم نہ دی گئی ہو۔

**آدابِ کلام**: کلام صاف، شائستہ، شستہ اور تہذیب کی حدوں میں ہو۔ بڑوں کا ادب و احترام ملحوظ رہے۔ چھوٹوں سے شفقت اور اُنسیت، برابر والوں سے خلوص اور محبت کا اظہار ہو۔ بات چیت نرم، سادہ اور عام فہم ہونی چاہیے۔ گفت گو نرم اور موقع محل کے مطابق ہونی چاہیے۔ دوسرے کی بات نہ کاٹنا، خاموشی سے بات سُن کر حسبِ ضرورت معقول جواب دینا بھی آدابِ کلام میں شامل ہے۔ حضور اکرمؐ اِس پیارے انداز سے ٹھہر ٹھہر کر کلام فرمایا کرتے تھے کہ ہر لفظ سامعین کے دل نشین ہو جاتا تھا۔

ارشادِ رَبانی ہے کہ انسانوں سے اچھی طرح سے

کلام کرو۔

**آدابِ ملاقات:** ملاقات آپس میں اُنس، محبت اور ہمدردی پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس سے اجنبیت دور ہوتی ہے۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ وقتِ ضرورت جان پہچان کا پاس کرتے ہوئے مدد کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ ملاقات میں خلوص اور بے غرضی دل میں انمٹ نقوش پیدا کرتی۔ ہر ایک کے ساتھ سلام میں ہمیشہ سبقت کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ملاقات میں اعتدال کو مدِنظر رکھنا چاہیے۔ بے تکلف دوستی میں بھی بدتمیزی اور بدکلامی کو قریب نہ آنے دیا جائے۔

**آدابِ مجلس:** انسانوں کو جب کسی جگہ میں بیٹھنے کا موقع میسّر آئے تو سب سے اہم اور ضروری چیز یہ ہے کہ ایک دوسرے کی بات کو نہایت صبر و سکون سے سنا جائے۔ نشست و برخاست وغیرہ میں تہذیب، اخلاق اور مروّت کا ثبوت دینا چاہیئے۔ دو یا چار آدمی آپس میں گفت گو کر رہے ہوں تو بلا اجازت ان کی بات میں دخل دینا نہایت معیوب بات ہے۔ جہاں جگہ ملے بیٹھ جانا چاہیئے۔ تکیہ لگا کر یا پاؤں پھیلا کر بیٹھنا بہت بُرا اور آدابِ مجلس کے خلاف ہے۔

**آدابِ لباس:** پوشاک انسانی تمدن کی اہم ضرورت ہے۔ ہر مُلک کی آب و ہوا اور تہذیب کے مُطابق اس کے استعمال میں اختلاف ناگزیر ہے۔ مَردوں کو ایسا لباس زیبِ تن کرنا چاہیے جو ستر پوش ہو۔ فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ بنے اور غرور و نخوت نہ پیدا کرے۔ عورتوں کے لیے ایسا لباس ہونا ضروری ہے جو اُن کی زینت کو چھپائے، ان کی عزت اور آبرو کا محافظ اور وقار کا حامل ہو۔ مَردوں کے لیے بھڑکیلے قسم کا لباس نامناسب ہے۔ لباس کو سلیقے سے اور موقع محل کے مطابق پہننا چاہیے۔ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:-

"انسان لباس سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ لباس قیمتی ہو، البتہ صاف ستھرا ہونا چاہیے۔"

**آدابِ طعام:** کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا، کلّی کرنا، شروع کرتے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، پڑھنا اپنے آگے سے کھانا، ادھر اُدھر ہاتھ نہ چلانا۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو سلیقے سے طلب کرنا۔ کھانا اطمینان سے طلب کرنا۔ کھانا اطمینان سے چبا چبا کر کھانا، چھینک وغیرہ آئے تو منھ پیچھے کی طرف کر لینا۔ کھانا ناپسند ہو تو ناک بھوں نہ چڑھانا۔ پانی ٹھہر ٹھہر کر پینا۔ کھانے کے ختم ہونے پر خدا کا شکر ادا کرنا ہاتھ دھو کر اور کلّی کر کے تولیے سے ہاتھ منھ پونچھنا آدابِ طعام میں شامل ہے۔

## پیارا رسالہ

فیاض احمد فیاض، بہاولنگر

آجا میرے پیارے رسالے
آجا میرے دلارے رسالے

آجا میرے پیارے دوست
آجا میرے اچھے دوست
آجا میرے دل کے ساتھی
آجا اے محفل کے ساتھی
آجا میرے پیارے نونہال
ہے فیاض کو تیرا خیال

## کیا یہی انسانیت ہے؟

جنید احمد زبیری، کراچی

علی ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا۔ سنسناتی گولیاں اس کے دائیں بائیں سے گزر رہی تھیں۔ اس کے ہاتھوں میں دوربین تھی جس سے وہ وقتاً فوقتاً محاذ جنگ کی صورتِ حال کا جائزہ لے رہا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ علی کے اضطراب میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ اب تک کسی مجاہد نے دشمن کی چوکی پر قبضے کا کوئی سگنل نہیں دیا تھا۔

علی فلسطینی تنظیم "سُرخ عقاب" کا سربراہ تھا۔ یہ تنظیم آزادیٔ فلسطین کے لیے قائم کی گئی تھی اور اس کے قیام کے کچھ عرصے بعد ہی دشمن پر اس کی دہشت بیٹھ گئی تھی۔ اپنی مسلح کارروائیوں سے اس تنظیم نے اسرائیل کو ناکوں چنے چبوا دیے تھے اور آج لبنان کی سرحد کے قریب ایک اسرائیلی چوکی پر علی کی سرکردگی میں حملہ کیا گیا تو علی محاذ سے دور رہ کر جنگ کی صورتِ حال کا جائزہ لے رہا تھا تاکہ وقت پڑنے پر فوری کمک بھیجی جاسکے اور جنگ کے متعلق ہدایات دے سکے۔

علی کی بے چینی زیادہ دیر قایم نہیں رہی، ایک مجاہد بھاگتا ہوا اس کی جانب آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بندوق تھی اور چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ اُس نے دُور سے چیختے ہوئے کہا، "علی صاحب ہم ہار گئے۔ دُشمنوں کی عددی برتری نے ہمیں شکست دے دی"۔ علی کا چہرہ فق ہوگیا۔ اُس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا،

"کتنے مجاہد شہید ہوئے؟"

"صرف چھ بچ سکے ہیں"۔ مجاہد نے جواب دیا۔

علی ابھی کسی ردِعمل کا اظہار بھی نہ کر پایا تھا کہ ہینڈز اَپ کی کرخت آواز نے اس کے مُنھ کو قفل لگا دیا اور اُس نے بے چارگی سے پستول زمین پر پھینک دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں علی سمیت تمام مجاہدین کو ٹرک میں سوار کر دیا گیا۔ راستے میں علی نے جو لرزہ خیز مناظر دیکھے ان سے اس کی رُوح کانپ گئی۔ عرب بستیوں کو آگ لگی ہوئی تھی۔ تمام عربوں کو ایک بڑے میدان میں جمع کر دیا گیا تھا۔ ہر ایک چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ اسرائیلی درندے اپنی سفاکی اور بربریت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر میں بھیانک کھیل شروع ہوگیا۔ اسرائیلی افسر اعلان نے "موت پریڈ" کا حکم دیا۔ اس نے اپنی ایک انگلی کے اشارے سے مرنے والوں کو ایک طرف

اور محنت مزدوری کے قابل افراد کو دوسری جانب کرادیا۔ اور پھر اسرائیلی سپاہیوں نے اپنی سنگینیں گھونپ کر موت کے قابل عربوں کو ختم کر دیا اور ان کی لرزہ خیز چیخوں پر قہقہے لگاتے رہے.... اب اسرائیلی فوج کا افسرِ اعلا علی کی طرف بڑھا اور کہنے لگا، "کہو کیا خیال ہے؟" "انسانیت کے بھیس میں سفاک درندو!" علی کراہا، "اگر تم ہمارے ایک ایک ساتھی کو ختم کر دو اور ہماری لاشوں کو چیل اور کوؤں کے سامنے پھینک دو تب بھی ہماری جدّوجہد جاری رہے گی اور ہمارا نعرہ ہمیشہ "آزادی یا موت" رہے گا۔" علی پھر گرجا، "ہم مادرِ وطن کے پاک اور حسین خطّے سے تم غاصبوں کے ناپاک وجود کو مٹا کر ہی دم لیں گے اور انشاء اللہ وہ وقت ضرور آئے گا۔"

یہودی افسر دھاڑا، "بکواس بند کرو۔"

علی کی آواز پھر گونجی، "حقیقت کے اظہار پر گھبرا گئے، ہم تو انسان کا انسان کے ساتھ بھیانک سلوک دیکھ کر بھی خوف زدہ نہ ہوئے۔ برستی گولیوں میں کود کر بھی ذرا نہ ہچکچائے اور محض حقیقت کے اظہار پر تمھارا اس قدر غصّہ!" علی اتنا کہہ کر دم بھی نہ لینے پایا تھا کہ ایک ساتھ کئی فائر اس کے جسم کو چھیدتے ہوئے گزر گئے۔ اس کا نعرہ آخری بار لبنان اور اسرائیل کی سرحد پر گونجا "اللہ اکبر" اور وہ شہید ہوگیا۔

علی کی لاش زمین پر پڑی انسان سے سوال کر رہی تھی کہ کیا یہی انسانیت ہے؟

## بادشاہی مسجد

سلیم بھٹی، شیخوپورہ

لاہور میں واقع دُنیا کی سب سے بڑی مسجد مغلیہ دور کی یادگار ہے۔ یہاں ایک وقت میں تقریباً ایک لاکھ آدمی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ سال میں دو بار عید کے موقع پر یہاں پانچ لاکھ آدمی جمع ہوتے ہیں جو مسجد کے باہر دُور دُور تک صفیں بچھا کر نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ مسجد مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے ۱۶۷۳ء میں بنوائی تھی۔ اس زمانے میں شاہی مسجد کی تعمیر پر چھ لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے۔ اورنگ زیب نے مسجد کے لیے اجمیر اور جے پور سے سُرخ پتھر منگوایا تھا۔

شاہی مسجد زمین سے پندرہ فیٹ اونچے چبوترے پر تعمیر کی گئی ہے۔ سیڑھیوں کے دائیں طرف سر سکندر حیات اور بائیں طرف علامہ اقبال کا مقبرہ ہے۔ مسجد کے دروازے کے دائیں بائیں حُجرے ہیں جہاں کبھی اس میں شاہی محافظ رہا کرتے تھے۔ جب بادشاہ نماز پڑھنے آتے تو محافظ ان کی حفاظت کرتے تھے۔

مسجد کا دروازہ سنگِ رُخام یعنی سنگِ مرمر سے بنایا گیا ہے۔ دروازے کے اوپر دو منزلہ عمارت ہے جہاں نمائش کے لیے چند تبرکات رکھے ہوئے ہیں۔ ڈیوڑھی سے گزرنے کے بعد کھلا صحن آتا ہے جس کے ٹھیک درمیان میں سنگِ مرمر کا بنا ہوا مربع شکل کا حوض ہے۔ مسجد کی

عمارت میں بلند محرابیں اور سنگِ مرمر کے تین گنبد ہیں جن پر لگے ہوئے سنہرے کلس سورج کی روشنی میں بڑے خوب صورت دکھائی دیتے ہیں۔ صحن سے گزر کر مسجد کی عمارت میں داخل ہوں تو سب سے بڑے گنبد کے نیچے سنگِ مرمر کا خوب صورت منبر دکھائی دیتا ہے۔ مسجد کے اس حصّے میں دیواروں پر پھول بُوٹے بنے ہوئے ہیں۔ مسجد کے چاروں کونوں پر چار خوب صورت اور اونچے مینار ہیں جو سُرخ پتھر سے بنائے گئے ہیں۔

پنجاب پر سکھوں نے قبضہ کیا تو مسلمانوں کو اس مسجد میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔ مسجد کے صحن سے اصطبل کا کام لیا جاتا تھا۔ انگریزوں کے آنے تک بادشاہی مسجد کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔ ۱۸۵۶ء میں پنجاب کے کمشنر سر جان لارنس کے کہنے پر انگریزوں نے بادشاہی مسجد مسلمانوں کو واپس کر دی۔ ۱۸۶۴ء میں مسجد کی تعمیر کرائی گئی۔ ہزاروں رُپے خرچ کرنے کے بعد مسجد کا صرف دروازہ ہی ٹھیک ہو سکا۔ ۱۸۷۷ء میں انگریزوں نے اس مسجد کی مرمت کے لیے پانچ ہزار رُپے چندہ دیا۔ ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں نے مل کر دس ہزار رُپے چندہ دیا۔

۱۹۲۹ء میں ایک بار پھر مسجد کی مرمت کا کام اس وقت کے وزیرِ اعلا پنجاب سر سکندر حیات نے شروع کرایا جو اکیس سال تک ہوتا رہا۔ اس پر پچاس لاکھ رُپے خرچ ہوئے۔

ہمدرد نونہال، مئی ۱۹۷۷ء

# مادرِ ملّت محترمہ فاطمہ جناح

محمّد امین میمن، حیدر آباد

آپ ۱۸۹۳ء میں کراچی میں پیدا ہوئیں۔ آپ کو بابائے قوم قائدِ اعظم کی بہن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ پوری قوم آپ کو مادرِ ملّت کے نام سے یاد کرتی ہے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم کوئنز اسکول بمبئی میں ہوئی۔ اس کے علاوہ کلکتے سے دانتوں کی سرجری کا ڈپلوما حاصل کیا اور دو سال تک پریکٹس بھی کی۔ ۱۹۳۰ء میں تحریکِ پاکستان میں قائدِ اعظم کے ساتھ مل کر کام کیا۔ انھی کی اپیل پر کشمیر فنڈ کے لیے لاکھوں روپیہ جمع کیا گیا۔ آپ نے تعلیمی اور خیراتی اداروں کی سرپرستی بھی کی۔

۱۹۶۵ء میں پانچ جماعتوں کی مشترکہ صدارتی امیدوار کی حیثیت سے الیکشن لڑا مگر چند وجوہات کے باعث کامیاب نہ ہو سکیں۔ ۹ جون ۱۹۶۷ء کو کراچی میں انتقال فرمایا اور قائدِ اعظم کے مقبرے کے احاطے میں دفن ہوئیں۔

# چالاک لومڑی

آصف کبیر جعفری، سکھر

ریاض ایک سیدھا سادا لڑکا تھا۔ ایک دفعہ وہ کہیں جا رہا تھا کہ اس کو ایک لومڑی ملی۔ ریاض کے ساتھ

ہرنی کے دو بچے تھے۔ لومڑی بہت بھوکی تھی۔ ریاض کے پاس ہرنی کے بچے دیکھ کر لومڑی کے منھ میں پانی بھر آیا، لیکن ہرنی کے بچے ریاض کے قبضے میں تھے، چنانچہ لومڑی نے ایک ترکیب سوچی، اس نے ریاض کو باتوں میں لگا کر اُسے وہیں روک لیا۔ آہستہ آہستہ دن ڈھلنے لگا اور رات ہوگئی۔ اتفاق سے قریب ہی ایک درخت تھا۔ لومڑی نے اس پر سے پھول توڑے اور ریاض سے کہا "ہم دونوں آپس میں دوست بن جائیں تو بہت اچھا ہو، آج کی رات ہم یہیں بسر کریں گے۔"

ریاض سیدھا سادا تو تھا ہی وہ لومڑی کی چالاکی کو نہ سمجھ سکا اور وہاں رات بسر کرنے پر راضی ہوگیا۔ ریاض کے پاس شہد کی مکھیوں کا بہت بڑا چھتا تھا۔ لومڑی ہرنی کے بچوں کو بھول گئی اور شہد کو دیکھ اس کے منھ سے رال ٹپکنے لگی اور ریاض کے سونے کا انتظار کرنے لگی۔ جب ریاض سو گیا تو اُس نے شہد چاٹنا شروع کر دیا۔ ابھی اس نے آدھا شہد چاٹا تھا کہ ایک گولی سنسناتی ہوئی لومڑی کے دل میں اتر گئی اور لومڑی نے اسی وقت دم دیا۔ ریاض گولی کی آواز سُن کر جاگ اٹھا۔ اس نے شکاری کا شکریہ ادا کیا۔ شکاری نے تحفے طور پر ایک بندوق اور ایک شکاری ٹوپی دی۔ اور اسے اس کے گھر تک چھوڑ آیا۔ اس کے بعد شکاری اور ریاض میں پکی دوستی ہوگئی۔

★

# اِمتحان

۔ کنور کامرانی، کراچی

سال بھر میں ایک بار آتا ہے بچو امتحاں
اک نئے درجے میں لے جاتا ہے ہم کو امتحاں
دل لگا کر خوب پڑھتے ہیں جو بچے سال بھر
امتحاں دے ڈالتے ہیں وہ بلا خوف و خطر
اچھے اچھے نمبروں سے پاس ہو جاتے ہیں وہ
پاس ہو کر اگلے درجے میں چلے جاتے ہیں وہ
پڑھنے لکھنے سے جو بچے بھاگتے ہیں سال بھر
سال کے آخر میں لیتے ہیں وہ پڑھنے کی خبر
دن تو دن راتوں کو بھی پڑھتے ہیں وہ آٹھوں پہر
کورس پورا ختم ہو پاتا نہیں ان سے مگر
بھوت بن جاتا ہے ان کے واسطے یہ امتحاں
امتحاں کے نام سے ان کی نکل جاتی ہے جاں
جیسے تیسے پرچے کر کے خوش تو ہو جاتے ہیں وہ
پر نتیجہ دیکھ کر روتے نظر آتے ہیں وہ
گر پڑھیں ہم سال بھر تو فیل ہو سکتے نہیں
کورس پورا ہو نہ ان سے یہ کبھی ممکن نہیں
دل لگا کر ہم کو پورے سال پڑھنا چاہیے
پاس ہو کر اک نئے درجے میں جانا چاہیے

# زمین کا قریب ترین ہمسایہ

عبدالجبار شمیر، سکھر

قدیم زمانے کے لوگ چاند اور سورج سے بہت ڈرتے تھے اور بعض تو چاند سورج اور ستاروں وغیرہ

کی پوجا بھی کرتے تھے۔ چاند اور سورج کے گرہن ہونے پر قدیم ہندستان کے لوگ کہتے تھے کہ اسے کوئی بھوت نگل رہا ہے۔ غرض چاند اور دوسرے اجرامِ فلکی کے متعلق عجیب و غریب باتیں کی جاتی تھیں۔ اہلِ بابل اور مصر کے لوگ سورج گرہن اور چاند گرہن کے متعلق کافی حد تک صحیح اندازہ لگایا کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ اجرامِ فلکی کے متعلق لوگوں کے واہمے دور ہوتے گئے اور وہ ان کے متعلق سوچنے لگے۔

چاند پر پہنچنے کے لیے انسان ہمیشہ ہی سے کوششیں کرتا رہا ہے۔ پہلے پہل شاعروں نے اور مصنفوں نے اپنے مضامین اور گیتوں کے ذریعے سے انسان کے اس شوق کو پورا کیا اور جب سائنس نے بہت ترقی کرلی تو سائنس دانوں نے چاند پر پہنچنے کی تدبیریں شروع کردیں۔ اور بالآخر وہ اپنی اس کوشش میں کام یاب ہوئے اور اس طرح ۲۱ جولائی ۱۹۶۹ء کو انسان کے قدم چاند پر پہنچے۔

چاند کا قطر قریباً ۲۱۶۳ میل ہے۔ چاند کی سطح کے متعلق سائنس دانوں کا خیال ہے کہ وہاں پر نہ ہوا ہے اور نہ پانی۔ چاند کی سطح پر بڑے بڑے پہاڑ اور گول گول گڑھے ہیں۔ سب سے بڑے پہاڑ کی اونچائی ۔۔۔ ۴۵ ہزار فیٹ ہے۔ بعض سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ چاند پر ہوا اور پانی تو موجود ہے، لیکن چٹانیں ان کو چھپائے ہوئے ہیں۔ ان چٹانوں کو توڑنے کے لیے ایٹمی دھماکے کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن فی الحال اتنی خطیر رقم خرچ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

یہ تو آپ سب کو معلوم ہے کہ قدیم زمانے میں چاند ہماری زمین کا ایک بڑا حصہ تھا اور ہماری زمین سے الگ ہونے پر ہی وجود میں آیا تھا۔ مشاہدات سے ثابت ہوا ہے کہ بحرالکاہل چاند کے زمین سے ٹوٹنے کے بعد ہی وجود میں آیا تھا۔ ابتدا میں زمین دہکتی ہوئی آگ کا ایک گولا تھی۔ اس وقت اس کی گردش بھی بہت تیز تھی۔ گھومتے گھومتے اس کی سطح پر ایک ابھار پیدا ہوا۔ یہ ابھار بتدریج بڑھتا رہا اور بالآخر زمین سے الگ ہوگیا، لیکن زمین کی کشش نے اسے اپنے گرد گھومنے پر مجبور کردیا۔ یہی چاند کہلایا۔ ابتدا میں تو چاند بہت گرم تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہوتا گیا۔

یہ تو آپ جانتے ہوں گے کہ چاند گرہن کیوں ہوتا ہے؟ یعنی جب زمین گردش کرتی ہوئی چاند اور سورج کے درمیان آجاتی ہے تو سورج کی شعاعیں چاند پر نہیں پڑتیں۔ کیوں کہ چاند سورج ہی کی روشنی سے چمکتا ہے اس لیے وہ گرہن ہوجاتا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ۱۸ سال اور دس یا گیارہ دن کے عرصے میں ۲۹ چاند گرہن ہو جاتے ہیں۔

زمین کے مقابلے میں چاند پر کششِ ثقل چھ گنا کم ہے۔ اگر کسی چیز کا وزن زمین پر چھ پونڈ ہو تو چاند پر وہ صرف ایک پونڈ رہ جائے گا۔ اگر ہم زمین پر ایک فٹ اچھل سکتے ہیں تو چاند پر چھ فیٹ اونچا اچھل سکتے ہیں۔ ابتدا میں تو چاند پر ہوا موجود تھی لیکن کششِ ثقل کم ہونے کی

وجہ سے یہ اس سے الگ ہوگئی۔

چاند کی عمر کے متعلق انگلستان کے مشہور سائنس دان چارلس ڈارون کے مشاہدات کے مطابق چاند ہماری زمین سے ہر سال پانچ انچ دور ہوتا ہے۔ چارلس ڈارون نے یہ حیرت انگیز انکشاف بھی کیا ہے کہ چاند ہماری زمین سے اسی رفتار سے دور ہوتا رہا ہے۔ چاند کا موجودہ فاصلہ ۲۳۸۸۴۰ میل ہے۔ یہ فاصلہ چاند نے تقریباً چار ارب سال میں طے کیا ہے لہٰذا چاند کی موجودہ عمر بھی چار ارب سال ہونی چاہیے۔

## مولوی چاچا کی ترکیب

امتیاز علی ـــــ سندھ

پُرانے زمانے کی بات ہے، ملک بلغاریہ کے ایک گاؤں میں دو سگے بھائی رہتے تھے۔ بڑے کا نام نیشکو اور چھوٹے کا نام میتیجو تھا۔ جب وہ دونوں بھائی چھوٹے تھے تو ان کی والدہ اللہ کو پیاری ہوگئی۔ باپ بھی بیوی کے غم میں اللہ کو پیارا ہوگیا۔ باپ ایک غریب دکان دار تھا۔ جب وہ مرا تو اپنے بیٹوں کے لیے کیلے کا ایک درخت اور ایک جھونپڑی چھوڑی تھی۔ دکان تو قرض خواہوں لے لی۔ نیشکو بڑا دھوکے باز اور بدصورت تھا، اس کے برعکس میتیجو بہت بھولا بھالا اور خوب صورت تھا۔ دونوں جھونپڑی میں رہتے تھے اور کیلے بیچ کر گزارہ کرتے تھے۔ ایک دن کسی بات پر دونوں میں لڑائی ہوگئی۔ بڑے بھائی نے کہا کہ اب میں تیرے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اس لیے اب ہمیں کیلے کے درخت کا بٹوارہ کر لینا چاہیے۔ اوپر والا حصہ میں لیتا ہوں اور نیچے والا حصہ تیرا ہوگا۔ میتیجو چوں کہ بھولا بھالا لڑکا تھا اس لیے اپنے بھائی کے داؤ میں آگیا۔ اب میتیجو روزانہ ندی سے پانی بھر بھر کر لاتا اور درخت میں ڈالتا۔ ادھر نیشکو کیلے توڑ توڑ کر مزے سے کھاتا اور بازار میں انھیں بیچ کر ان پیسوں کی روٹی لے آتا۔ جب اس کا پیٹ بھر جاتا تو بچا کھچا کھانا میتیجو کو دے دیتا جس کو وہ صبر و شکر سے کھاتا۔ ان کے پڑوس میں ایک مولوی صاحب رہتے تھے جنھیں لوگ مولوی چاچا کہتے تھے۔ مولوی چاچا سے بڑے بھائی کی ناانصافی نہیں دیکھی گئی اور انھوں نے میتیجو کو بلا کر اس کے کان میں ایک ترکیب بتا دی۔ دوسرے دن جب نیشکو درخت سے کیلے توڑ رہا تھا تو میتیجو نے کلہاڑی اُٹھائی اور درخت کو جڑ کے قریب سے کاٹنا شروع کیا۔

"ارے رے رے! یہ کیا کر رہے ہو؟" نیشکو نے میتیجو سے کہا۔

میتیجو نے جواب دیا، "میری مرضی، میں جو چاہوں گا کروں گا، درخت کا نچلا حصہ تو میرا ہے۔" اور یہ کہہ کر میتیجو پھر لگا "ٹھک ٹھک" درخت کاٹنے۔ اب تو بڑا بھائی بہت گھبرایا اور بولا، "بس کرو میرے بھائی اب میں کبھی تمھیں دھوکا نہیں دوں گا۔" اور اُس نے واقعی اپنا وعدہ نبھایا۔ اور پھر کبھی اس اپنے چھوٹے بھائی میتیجو کو دھوکا نہیں دیا۔

# چوری کی سزا

فرح فاروق، کراچی

سلیم ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا، وہ بہت ہی ذہین تھا۔ لیکن اس میں ایک بُری عادت تھی، وہ کلاس کے لڑکوں کی چیزیں چُرا لیتا تھا۔

اسکول میں لڑکے پاس پاس بیٹھتے تھے۔ ایک مرتبہ باتوں باتوں میں اس نے اپنے ایک ساتھی کا قیمتی پین چُرا لیا۔ اس لڑکے نے اپنا پین ڈھونڈا اور جب وہ نہ ملا تو وہ بہت پریشان ہوا اور اُستاد سے شکایت کر دی۔ انھوں نے اس لڑکے سے لڑکوں کی تلاشی لینے کو کہا۔ یہ سُن کر سلیم بہت گھبرایا اور اُس نے وہ پین اپنے برابر بیٹھے ہوئے ایک لڑکے کے ڈیسک میں ڈال دیا۔ وہ لڑکا نیا نیا اس اسکول میں داخل ہوا تھا۔ اور بہت غریب تھا، اس کا نام شاہد تھا۔ جب لڑکا تلاشی لیتا ہوا شاہد کے ڈیسک پر آیا تو وہاں وہ پین اس کو مل گیا۔ اُس نے استاد کو یہ بات بتائی تو انھوں نے اس کو بہت ڈانٹا اور تمام لڑکوں نے بھی اُسے چور کہہ کر ستانا شروع کر دیا۔

دوسرے دن جب سلیم اسکول آیا تو خود اُس کا پین غائب تھا۔ استاد نے شاہد کی تلاشی لی لیکن پین اس کے پاس نہیں ملا، بلکہ اس لڑکے کے پاس سے ملا جس کا پین کل سلیم نے چُرایا تھا۔ استاد کے پوچھنے پر کہ یہ پین اس نے کیوں چُرایا؟ اس لڑکے نے بتایا کہ "سلیم نے کل میرا پن چوری کیا تھا اس لیے آج میں نے اُس کا پین چوری کر لیا۔ یہ بات سن کر استاد نے کہا کہ، "تمھارا پین سلیم نے نہیں شاہد نے چُرایا ہے"۔ اُس لڑکے جواب دیا، "نہیں جب میں اپنا پین تلاش کر رہا تھا تو سلیم نے میرا پین شاہد کے ڈیسک میں ڈال دیا تھا"۔ استاد کو اس لڑکے کی باتوں پر یقین نہیں آیا اور انھوں نے اس لڑکے کو جھوٹا سمجھ کر خوب ڈانٹا اور کہا کہ، "اس کا ثبوت کیا ہے کہ سلیم نے تمھارا پین چرایا ہے؟" یہ بات سُن کر وہ خاموش ہو گیا۔

ادھر اسکول سے لوٹ کر سلیم اُداس اُداس رہا۔ اس کا ذہن اس کو ملامت کر رہا تھا۔ شام تک وہ اسی طرح بیٹھا رہا نہ کھیلا اور نہ کہیں گیا۔ رات اس سے کھانا بھی نہ کھایا گیا بستر پر لیٹ کر بھی وہ سو نہ سکا۔ اسے اپنے کیے پر بڑی شرم محسوس ہو رہی تھی۔ پتا نہیں کب اس کی آنکھ لگی اس نے خواب میں دیکھا وہ بڑا ہو کر ایک بدنام چور بن گیا ہے اور ایک گھر میں چوری کرتا ہوا پکڑا لیا گیا ہے۔ پولیس والے اسے پیٹ رہے ہیں۔ اس کے منھ سے چیخیں نکل گئیں۔ گھر والے دوڑ کر اس کے کمرے میں آ گئے۔ وہ پلنگ پر بیٹھا رو رہا تھا۔ اپنی امّی کے سمجھانے پر اُس نے تمام خواب اور اصل واقعہ بھی ماں کو سنا دیا۔ اس کی امی نے کہا،

"بیٹا! یہ بہت بُری عادت ہے۔ تمھارے ذہن کی اُلجھن نے یہ خواب دکھایا ہے۔ یہ خدا کی طرف سے ایک اشارا ہے۔ تم اب بھی سنبھل سکتے ہو"۔ سلیم نے چوری چھوڑنے کا پکا ارادہ کر لیا اور اسکول پہنچ کر استاد سے اصل قصہ سنانے کے بعد شاہد سے معافی مانگ لی۔

ہمدرد نونہال، مئی ۱۹۷۰ء

# گپ بازی کا مقابلہ

مشتاق احمد خان، کراچی

جاوید اور امتیاز آپس میں بیٹھے ایک دوسرے کو قصے کہانیاں سنا رہے تھے۔ پہلے جاوید نے کہانی سنانی شروع کی:

جاوید نے کہا، ہمارے دادا جان شکار کے بہت شوقین تھے۔ ایک دفعہ وہ شیر کے شکار کے لیے سُندر بن کے جنگلات کی خاک چھان رہے تھے۔ یہ علاقہ شیروں کے لیے مشہور ہے۔ دادا جان مچان پر بیٹھے شیر کا انتظار کر رہے تھے۔ اچانک ان کی نظر شیر کے ایک جوڑے پر پڑی جو ابھی مچان سے کافی دُور تھا۔ دادا جان کے پاس بندوق میں صرف ایک گولی تھی جب کہ انھیں شکار دونوں کا کرنا تھا۔ اب وہ اس شش و پنج میں مبتلا تھے کہ دونوں کا شکار کس طرح کیا جائے؟ اچانک انھیں ایک ترکیب سوجھی۔ انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ نکالا خنجر اور زمین پر دے مارا۔ دونوں شیر لپک کر اس خنجر پر جھپٹے۔ دادا جان نے تاک کر خنجر پر فائر کیا، گولی خنجر سے ٹکرا کر دو ٹکڑے ہوگئی۔ آدھی گولی ایک شیر کے لگی اور آدھی گولی دوسرے شیر کے سینے میں پیوست ہوگئی۔ دونوں شیر وہیں ڈھیر ہوگئے۔ دادا جان نے دونوں شیروں کو کندھے پر اُٹھا کر جیپ میں ڈالا اور گھر لوٹ آئے۔ جاوید نے کہا، "دیکھا! ہمارے دادا جان کتنے بہادر تھے؟"

امتیاز نے جواب دیا، "جاوید! یہ کون سی بہادری کی بات ہے، اگر میں تمھیں اپنے دادا جان کے شکار کا قصہ سناؤں تو تمھاری عقل دنگ رہ جائے گی۔"

جاوید نے کہا، "اگر ایسی بات ہے تو پھر میں ضرور سنوں گا۔"

امتیاز نے کہا، "مگر ایک بات ہے، ہوشیار ہو کر بیٹھنا ہوگا، ڈرنا نہیں۔"

جاوید نے سنبھلتے ہوئے کہا، "بھئی اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔ جب میرے دادا جان بہ یک وقت دو شیروں کا مقابلہ کر سکتے ہیں تو بھلا میں کیوں ڈروں گا۔" امتیاز نے یہ تمام باتیں جاوید کو مرعوب کرنے کے لیے کہی تھیں۔ امتیاز نے قصہ سنانا شروع کیا:

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہمارے دادا جان شکار پر گئے ہوئے تھے۔ دن بھر انھوں نے مختلف جانوروں کا شکار کیا مثلاً ہرن، بارا سنگھا، گیدڑ، لومڑ وغیرہ۔ اب شام ہو چلی تھی، دادا جان گھر جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ اچانک اُنھیں ایک شیر آتا دکھائی دیا۔ وہ فوراً ایک درخت پر چڑھ گئے۔ دادا جان بہت گھبرائے، کیوں کہ ان کے پاس جو بندوق تھی اس میں ایک گولی بھی نہیں تھی۔ آخر اُن کے ذہن میں ایک بات آئی۔ وہ فوراً درخت سے نیچے اُترے اور شیر کے راستے میں لیٹ گئے۔ شیر دادا جان کے پاس آ کر رُک گیا اور اُنھیں اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا، مگر دادا جان سانس روکے لیٹے رہے۔ شیر سمجھا شاید مردہ ہے۔ دادا جان نے چپکے سے آنکھ کھول کر دیکھا تو شیر اِدھر

اُدھر دیکھ رہا تھا۔ دادا جان نے لیٹے لیٹے شیر کے پیٹ میں گدگدیاں شروع کر دیں۔ شیر کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ اتنی ہنسی آئی، اتنی ہنسی آئی کہ وہ لوٹ پوٹ ہو گیا، دادا جان نے جھٹ رسّی کا پھندا بنا کر شیر کے گلے میں ڈال دیا اور فوراً درخت پر چڑھ کر شیر کو درخت سے باندھ دیا۔ پھر دادا جان نے اپنا سامان درست کر کے جیپ میں رکھا اور شیر کو جیپ کے پیچھے باندھ کر شہر لے آئے۔

یہ قصہ سُن کر جاوید کی عقل دنگ رہ گئی اور وہ دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ کیا واقعی امتیاز کے دادا جان اتنے بہادر تھے۔ جاوید سے نہ رہا گیا۔ اس نے جاوید سے رازدارانہ انداز میں پوچھا "بھئی! کیا یہ سچ ہے؟" امتیاز نے جاوید سے مخاطب ہو کر کہا "کیا آپ کے دادا جان کے ایک گولی سے دو شیروں کے شکار کا واقعہ حقیقت تھا؟"

جاوید نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا، "وہ تو میں یوں شیخی بگھار رہا تھا۔"

امتیاز نے کہا "تو بس یہی سمجھ لیجیے کہ میں نے آپ کا ساتھ دیا۔" اِس کو کہتے ہیں "جیسے کو تیسا۔"

## ڈاکٹر آدم ملک

طارق احمد بٹ، کراچی

ڈاکٹر آدم ملک انڈونیشیا کے وزیر خارجہ ہیں۔ آپ سماٹرا میں پیدا ہوئے۔ فارغ التحصیل ہوئے تو صحافت کا پیشہ اختیار کیا۔ نوجوانی ہی سے سیاسیات سے دلچسپی لینے لگے تھے۔ موجودہ حکومت سے وابستہ ہونے سے پہلے بھی وہ بہت سے اداروں سے منسلک رہ چکے ہیں۔ وہ صدر سوئیکارنو کے وزیر تجارت بھی رہے۔ انھوں اپنے ملک کے معاملات میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ انڈونیشیا کی جدوجہد آزادی کے دوران وہ انڈونیشیا کی قومی تحریک کی مجلسِ حفظہ کے تیسرے ڈپٹی چیرمین تھے۔ آزادی کے بعد انھوں نے موریا پارٹی قائم کی۔ ۱۹۵۶ء میں وہ ایوانِ نمائندگان کے رُکن چُنے گئے۔ ۱۹۵۹ء میں انھوں نے امریکا اور پولینڈ میں انڈونیشیا کے سفیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۶۳ء میں وہ وزیر تجارت مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۵ء میں قومی یک جہتی کے وزیر بنے اور ۱۹۶۶ء میں انھیں وزیر خارجہ بنایا گیا۔ ڈاکٹر آدم ملک اقتصادی امور کے ماہر تصوّر کیے جاتے ہیں۔ جب سے وزیر خارجہ بنے ہیں وہ انڈونیشیا کے عالمی روابط کی تجدید اور اصلاح کے لیے کوشاں ہیں۔ انھوں نے ملائشیا سے انڈونیشیا کے جھگڑے کو بات چیت کے ذریعے ختم کرانے کی تحریک شروع کی اور اس میں کامیاب بھی رہے۔ اقوام متحدہ میں انڈونیشیا کی واپسی کے سلسلے میں بھی انھوں نے سرگرمی سے کام لیا اور ملک کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کی خاطر غیر ملکی امداد کے حصول کے لیے کئی ملکوں کا دورہ کیا اور اپنے مقصد میں بڑی حد تک کامیاب رہے۔

وہ کئی دفعہ پاکستان بھی آچکے ہیں اور پاکستان کے بڑے اچھے دوست ہیں۔

# بچّوں میں دانتوں کی حفاظت کا احساس پیدا کیجیے
# انہیں صبح و شام نیموڈینٹ سے
# دانت صاف کرنے کی عادت ڈالیے

بچوں کو دانتوں کی صفائی پر مائل کرنا اب کچھ مشکل نہیں۔ ان میں یہ صحت مند عادت ڈالنے کے لئے لیموں، انناس اور اسٹرابیری ذائقہ کا نیموڈینٹ خاص طور پر تیار کیا گیا ہے۔ نیم جیسے آپ کے مسوڑوں اور دانتوں کے لئے مفید ہے ویسے ہی بچوں کے ناپختہ دانتوں اور نرم و نازک مسوڑوں کے لئے بھی ضروری ہے۔ اس سے زندگی بھر مسوڑے صحت مند اور دانت خوش آب رہتے ہیں۔ بچوں کا نیموڈینٹ ان کے دانتوں، مسوڑھوں کی طرح نازک ہے۔

بچوں کے لئے خصوصی پیکنگ ۳ ذائقے: لیموں، انناس، اسٹرابیری

## نیموڈینٹ

نیم کے موثر جوہر سے تیار کیا ہوا ٹوتھ پاؤڈر گھر میں سب کے لئے یکساں مفید

## بڑوں کے لئے نیموڈینٹ الگ پیکنگ میں دستیاب ہے

ہمدرد

Adarts H/NDT 4/73

# معلوماتِ عامہ ۱۳۱ کے صحیح جوابات

مارچ ۱۹۷۰ء کے ہمدرد نونہال میں معلومات عامّہ ۱۳۱ کے سوالات شائع ہوئے تھے ان کے صحیح جوابات یہ ہیں:

۱۔ دِق وسل سے بچاؤ کے ٹیکے کا نام بی۔سی۔جی (B.C.G) ہے۔

۲۔ جب پاکستان میں بارہ بجتے ہیں تو نیویارک (امریکا) میں رات کے دو بجتے ہیں۔

۳۔ موجودہ انتخابات سے قبل پاکستان میں قومی اسمبلی کا انتخاب، دسمبر ۱۹۷۰ء کو اور صوبائی اسمبلیوں کا انتخاب ۱۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو ہوا تھا۔

۴۔ ۲۱ جولائی ۱۹۶۹ء کا دن تاریخ میں اس لیے اہمیت رکھتا ہے کہ انسان نے پہلی بار چاند پر قدم رکھا۔

۵۔ نائیلون اور ریان میں فرق یہ ہے کہ ریان پودوں کے سیلولوز (ریشے) سے اور نائیلون کیمیکلز سے بنایا جاتا ہے

۶۔ چمگادڑ اُڑتے وقت ایک خاص قسم کی لہریں چھوڑتی ہے جو دریش رُکاوٹ سے ٹکرا کر واپس اُس کے کانوں تک پہنچتی ہیں۔ اس اصول پر ریڈار کا آلہ ایجاد ہوا۔

۷۔ اولمپیا، یونان میں واقع ایک میدان ہے جو کھیلوں کی وجہ سے قدیم زمانے سے مشہور چلا آرہا ہے۔

۸۔ ہندوستان اور سری لنکا کے درمیان سمندر میں چٹانوں کے سلسلے کو آدم کا پل کہا جاتا ہے۔

۹۔ پاک آرمی کے جنرل کے عہدے کے برابر نیوی میں ایڈمرل، اور ایئر فورس میں ایئر چیف مارشل کا عہدہ ہوتا ہے۔

۱۰۔ ہیرا فولاد سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

# صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| محمد اسحاق مغل | کراچی | فہیم بخاری | کراچی | سید عالی مقام جعفری | کراچی |
| اسرار الحق | راولپنڈی | سید شہزاد علی | " | سلیمان افضال | " |
| ناہید جمال | " | آفتاب مجید | " | محمد جاوید | " |
| احمد افضال | " | محمد یوسف خان | " | سید انوار علی | " |
| محمد آصف خاں | " | طلعت حیات علوی۔ پتوکی | | محمد ارشد سلیم | کراچی |

# صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصویریں

محمد ارشد سلیم ۔ کراچی



ناہید جمال ۔ راولپنڈی



محمد اسحاق مغل ۔ کراچی



طلعت حیات علوی، پتوکی

# ایک غلط جواب بھیجنے والوں کے نام

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| عبدالنعیم خان | حیدر آباد | سید عمران علی | نواب شاہ | زبیر عثمان بمبئی والا | کراچی |
| قطب الدین قادری | کراچی | محمد ذوالفقار ضیا | ٹوبہ ٹیک سنگھ | حسن عثمان بمبئی والا | کراچی |
| محمد ہمایوں خان غوری | نواب شاہ | اعجاز اقبال | ٹوبہ ٹیک سنگھ | ساجد نعیم | کراچی |
| شہزاد اسلم ملک | حیدر آباد | سید محمد فاروق | حیدر آباد | اے وہاب شیدائی | ٹھٹھہ |
| محمد اطہر خان | نواب شاہ | سلیم اختر قائم خانی | میرپور خاص | ملک ندیم احمد لطیف | راولپنڈی |
| محمد عبدالخالق خان | میرپور خاص | شفاعت حمایت | حیدر آباد | سلمان واجد | کراچی |
| محمد عبداللہ خان | میرپور خاص | عرفان رشید گنائی | گجرات | محمد حنیف لاکھانی | کراچی |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| کریم النساء انجم | میرپورخاص | محمد الیاس بلال | حیدرآباد | محمد جعفر ابراہیم | کراچی |
| محمد عبدالقادر خان | میرپورخاص | بدر فیاض زبیری | حیدرآباد | عبدالحئی ایس دل | گوٹھ ڈمیگارو |
| فاروق حسن | راولپنڈی | اکبر حسین اُپل | لاہور | دل امداد علی راہی امروٹی | امروٹ شریف |
| سید ماجد علی | نواب شاہ | محمد نسین | کراچی | اقبال حاجی عثمان | کراچی |
| محمد عامر علی انصاری | کراچی | محمد جمال صدیقی | کراچی | شہناز زاہد نور خان | کراچی |
| ارشد محمود | کراچی | اسد اسمٰعیل | کراچی | ساجد مرزا | لاہور |
| گوہر خورشید صدیقی | کراچی | ظہیر حیدر | کراچی | فریدہ محمود | لائل پور |

# ایک غلط جواب بھیجنے والوں کی تصویریں

محمد الیاس بلال۔حیدرآباد


قطب الدین قادری۔کراچی


اکرام الحق۔حیدرآباد


سید ماجد علی۔ نواب شاہ

اکبر حسین اوپل، لاہور


اے وہاب شیدائی، ٹھٹھ


سلمان راجو، کراچی


محمد حنیف لاکھانی، کراچی

ساجد نعیم، کراچی


سید عمران علی، نواب شاہ


شہزاد اسلم ملک حیدرآباد


جمشید علی احمد۔ کراچی

محمد اقبال، حاجی عثمان، بارا پور یا کراچی | محمد آصف خان کراچی | گوہر خورشید صدیقی، کراچی | جمال صدیقی، کراچی

ارشد محمود کراچی | محمد حسین ڈیسائی۔ کراچی | آفتاب احمد کراچی | پروینز اختر، کراچی

# ایجنٹ صاحبان سے

ہمدرد نونہال کے بعض ایجنٹ صاحبان اپنے آرڈر یا رسالے کی تعداد میں کمی بیشی کی اطلاع مہینے کے آخر میں دیتے ہیں۔ ہمارا دفتر رسالہ بھیجنے کی تیاری پندرا تاریخ سے شروع کر دیتا ہے، اس لیے مہینے کے آخر میں کسی تبدیلی کی اطلاع ملنے پر تعمیل میں دقت ہوتی ہے اور غلطی کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ سارے ملک اور بیرون ملک بھی سینکڑوں ایجنٹ صاحبان ہمدرد نونہال فروخت کرتے ہیں اور دفتر کو ان کے پاس رسالہ بھیجنا ہوتا ہے، اس لیے دفتر کو بہت کام کرنا پڑتا ہے۔ ایجنٹ صاحبان سے درخواست ہے کہ ہر مہینے کی پندرا تاریخ تک آئندہ مہینے کے رسالے کے لیے اپنی فرمائش بھجوا دیا کریں، مثلاً اپریل کے مہینے کی فرمائشیں پندرا مارچ تک بھجوا دی جائیں۔ اس طرح دفتر کو اور خود آپ کو بھی سہولت ہوگی۔

# ہمارے دوست

احمد مصطفیٰ

عمر: ۱۶ سال ۔ تعلیم: فرسٹ ایر

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، ٹکٹ جمع کرنا۔ ویو کارڈ جمع کرنا۔

پتا: ۱/۴، سو کوارٹر بیر آباد، گولی مار نمبر ۲، کراچی ۱۸

---

اعجاز احمد قریشی

عمر: ۱۶ سال ۔ تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: فٹ بال کھیلنا، ٹکٹ جمع کرنا

پتا: معرفت ممتاز احمد قریشی، الیکٹرک فورمین۔ النور فوٹو گرافرز نور جہانیاں

---

مجیب الحسن

عمر: ۱۳ سال ۔ تعلیم: دہم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا۔

پتا: ۱۲۴ ۔ ۱ کے بلاک نمبر ۲ طارق روڈ۔ کراچی ۲۹

---

محمد سعید پنجابی

عمر: ۱۵ سال ۔ تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، ہاکی کھیلنا، ٹکٹ جمع کرنا

پتا: معرفت نذیر احمد و محمد طارق (پی)، ڈاک خانہ خاص نصر پور حیدر آباد

---

سہیل احمد

عمر: ۹ سال ۔ تعلیم: پنجم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، قلمی دوستی کرنا

پتا: کوارٹر ۴، اے کورنگی نمبر ۵، کراچی ۳۱

---

عبد الرحمان راجا

عمر: ۱۶ سال ۔ تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی اور مطالعہ کرنا۔

پتا: معرفت شفیق بک ڈپو، ضلع میرپور، تحصیل ڈڈیال، آزاد کشمیر۔

---

ملک انور جاوید قذافی

عمر: ۱۶ سال ۔ تعلیم: بی۔ بی۔ ایم۔ الیف۔

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، خطوں کے جواب جلد دینا

پتا: مکان نمبر ۳۲۹ بی، گلی نمبر ۲ محلہ رچھپال نگر، گوجرہ

---

عبد الغنی

عمر: ۱۵ سال ۔ تعلیم: دہم

دل چسپیاں: ٹائپ کرنا، نونہال پڑھنا، کمنٹری کرنا

پتا: پلاٹ نمبر ۳۲۳-۱۱/ای، سیکٹر ۱ے، نیو کراچی

## محمد راشد علی

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، مطالعہ کرنا اور کہانی لکھنا۔

پتا: ۱۱۸ اے۔ رفاہ سوسائٹی، ملیر ہالٹ۔ کراچی ۲۳

## محمد اشرف میمن

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، خطوں کے جواب دینا۔

پتا: معرفت : عثمان حاجی یوسف، نیو کلاتھ مارکیٹ، میرپور خاص

## انیس احمد کنول

عمر: ۱۳ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، ٹکٹ جمع کرنا، تبادلہ کرنا۔

پتا: المہران سویٹ میٹ مارٹ۔ پڈ عیدن ٹاؤن۔ سندھ

## سید جاوید علی قطبی

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: قلمی دوستی، فٹ بال کھیلنا، تصویریں جمع کرنا۔

پتا: مکان نمبر ۱۰۱۔ بی مسرت کالونی، نزد قطب مسجد، ملیر سٹی، کراچی

## سید عبدالقدوس

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا۔ بچوں کی کتابیں پڑھنا۔

پتا: کوارٹر نمبر ۵۶ II ٹاپ مکلی ٹھٹھہ۔

## عمران بشیر

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، ٹیبل ٹینس کھیلنا۔

پتا: مکان نمبر ۳ گلی نمبر ۱۱۴، باغبان پورہ، لاہور

## عمران احمد انصاری

عمر: ۱۳ سال — تعلیم: دہم

دل چسپیاں۔ اپنے کلب کے ممبر بنانا، کہانیاں اور نظمیں وغیرہ لکھنا۔

پتا: مسلم انٹرنیشنل ہاکی کلب سی/ ۶/۲۹۳۷ لانڈھی نمبر ۲ کراچی

## لیاقت علی منہاس طالب

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: دہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، بچوں کے رسالوں میں دلچسپی لینا۔

پتا: مرغی انڈے فروش، چوک امام باڑہ میاں چنوں

## حماد احمد خان

عمر: ۸ سال — تعلیم: چہارم

دل چسپیاں: درسی کتابیں، رسالے اور نونہال پڑھنا۔

پتا: ۱۲/ ۵۵ ۶ اے گلبرگ، فیڈرل بی ایریا، کراچی ۳۸

## ندیم اختر خاں

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹیں جمع کرنا، نونہال پڑھنا۔

پتا: ۸ فیروز مینشن مشاطی روڈ۔ نزد پولیس ہسپتال روڈ۔ کراچی ۳

## فدا حسین

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، تصویریں جمع کرنا۔

پتا: سخی پیر روڈ، لیاقت کالونی۔ نزد آئل مل۔ یونس فدا منزل، حیدرآباد

## عبدالعزیز، عبدالکریم شہوانی

عمر: ۱۱ سال — تعلیم: چہارم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا اور کہانیاں پڑھنا۔

پتا: او ٹی ۵/۱ عباس علی لین، مدینہ منزل فلور نمبر ۳ میٹھادر کراچی نمبر ۲

### مُنیر احمد عبّاسی

عمر: ۱۲ سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، ٹکٹ جمع کرنا، نونہال پڑھنا۔

پتا: ڈاکٹر بشیر احمد عباسی نزد بغدادی پولیس اسٹیشن، کراچی نمبر ۲

---

### جمیل احمد دہلوی

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: سائیکل چلانا، کرکٹ کھیلنا، نونہال پڑھنا۔

پتا: بشیر جنرل اسٹور، بابر مارکیٹ، دکان نمبر ۲۴۴، لانڈھی، کراچی

---

### محمد سلیم شہاب الدین

عمر: ۱۳ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: ہاکی کھیلنا، ٹکٹیں جمع کرنا

پتا: اے ۱۱/ ۶ عزیز آباد۔ فیڈرل بی ایریا، کراچی

---

### ملک فیض احمد اعوان

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: قلمی دوستی، سیر و تفریح۔

پتا: بکرا پڑی، مرزا آدم خان روڈ نزد سرفراز ہوٹل، ملک فیض آٹوز، کراچی

---

### رفیع احمد رفیع

عمر: ۱۲ سال — تعلیم: مڈل

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، ٹکٹ جمع کرنا

پتا: مطب شفاءِ عام، ۲ زاہد منزل۔ ڈی۔ ڈی چوہدری، بغدادی، کراچی

---

### سید ضیغم علی حسن

عمر: ۱۳ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: ہاکی اور فٹ بال کھیلنا۔

پتا: ۲۰، سی۔ یونٹ نمبر ۶۔ لطیف آباد۔ حیدر آباد

### امیر بخش آبڑو

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: ہاکی کھیلنا، ٹینس کھیلنا۔

پتا: معرفت رحیم ملک ٹیوب ویل، اپوا کالونی، نوشہرو فیروز، نواب شاہ۔

---

### فرقان سعید خان بلوچ

عمر: ۱۲ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، سکّے جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا

پتا: فرقان حسن سعید خان بلوچ معرفت ہیڈ ماسٹر صاحب گرلز سکنڈری اسکول (ساہیوال)

---

### سید محمد یونس

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، کرکٹ کھیلنا، معلوماتِ عامہ جمع کرنا۔

پتا: ۵۲۸/۹۔ دستگیر سوسائٹی، فیڈرل بی ایریا، کراچی ۳۸

---

### اقبال حسن

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: فٹ بال کھیلنا، ٹکٹ جمع کرنا، تبادلہ کرنا، قلمی دوستی کرنا۔

پتا: ڈبلیو، ایس، اے پلاٹ نمبر ۱۴ بلاک ۱۶، فیڈرل بی ایریا، کراچی نمبر ۳۸

---

### غلام سرور انجم

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، کرکٹ کھیلنا۔

پتا: نزد سول ہسپتال صدر، گوگیرہ، تحصیل اوکاڑہ، ضلع ساہیوال

---

### جلال الدین خان

عمر: ۸ سال — تعلیم: سوم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، ہاکی کھیلنا، نونہال پڑھنا۔

پتا: ۲۷۹ عثمانیہ کالونی۔ ناظم آباد، کراچی۔

## راؤ ساجد نواب

عمر: ۱۲ سال    تعلیم: پنجم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹوں کا تبادلہ، معلومات جمع کرنا

پتا: راؤ ساجد نواب۔ پی۔ این۔ او پٹرول پمپ۔ نواب شاہ

---

## اعجاز علی خان ایرانی

عمر: ۱۵ سال    تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا، سکے جمع کرنا، مطالعہ کرنا۔

پتا: مکان نمبر ۳۲۶/۴ محلہ کوٹلہ فرید سہرار جوانہ روڈ۔ ملتان

---

## منیر کریم

عمر: ۱۶ سال    تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، ٹکٹ جمع کرنا۔

پتا: سی/۲۵۔ دھوراجی کالونی۔ کراچی ۱۲

---

## محمد واصف عارف

عمر: ۱۱ سال    تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، ہاکی کھیلنا۔

پتا: سی: ۱۶۸ کے ڈی اے۔ کارساز، روڈ کراچی نمبر ۱۲

---

## عبد الخالق خان

عمر: ۶ سال    تعلیم: اوّل

دل چسپیاں: پُرزے اور کیلیں جمع کرنا

پتا: معرفت وارث خان، ایکس، ای، این، تھرمل پاور ہاؤس جیکب آباد

---

## سلطان علی ہاشم

عمر: ۱۰ سال    تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: ہاکی اور کرکٹ کھیلنا، نونہال پڑھنا

پتا: کمرہ نمبر ۹، صدر منزل، اولڈ پولیس لین صدر کراچی

---

## فارم حلقۂ دوستی

جو نونہال اپنا تعارف چھپوانا چاہتے ہیں اس فارم کی مکمل خانہ پُری کر کے بھیج دیں

نام ________ صوبہ ________

عمر ________ تعلیم ________

دل چسپیاں ________

پتا ________

________

حکیم محمد سعید پبلشر نے زین پیکیجنگ انڈسٹریز کراچی میں چھپوا کر ادارۂ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی ۱۸ سے شائع کیا

# چالاک کوّا

ستایا ہوا پیاس کا ایک کوا
مگر ایسے عالم میں بھی اُڑ رہا تھا
طبیعت پہ تھی دھوپ سے اک گرانی
یہی جستجو تھی کہ مل جائے پانی

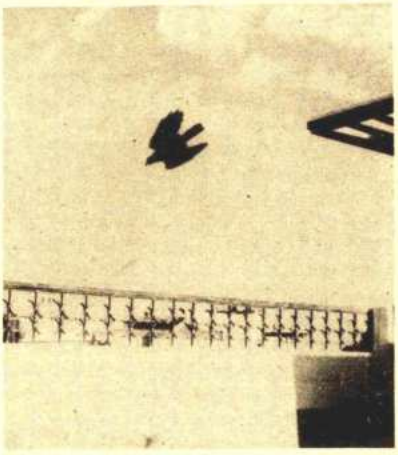

وہ تپتی فضا وہ قیامت کی گرمی
فلک جل رہا تھا زمیں بھن رہی تھی
جھلستی تھی ہر چیز کو دھوپ ایسے
برستی ہو چاروں طرف آگ جیسے
تپش تھی کچھ اتنی کہ دم گھٹ رہا تھا
غرض سب کے دل کا سکوں لُٹ رہا تھا
گلی اور کوچوں کا تھا بس یہ عالم
زمیں پر بھڑکتا تھا گویا جہنم

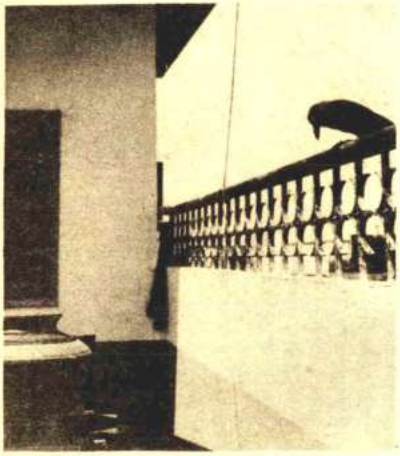

پڑا سامنے ایک بنگلہ بڑا سا
وہیں بس وہ اڑتا ہوا جا کے بیٹھا
جو چھت پر لگی تھی کٹہرے کی جالی
جگہ بیٹھنے کی وہیں پر بنالی
اچانک نگاہیں اٹھا کر جو دیکھا
گھڑونچی پہ رکھا بلا ایک مٹکا

کہ اتنے میں موقع غنیمت جو پایا    اُتر کر وہ مٹکے پہ تیزی سے آیا
نہ تھی اُس پہ تقدیر کی مہربانی    گھڑا تھا، مگر اس میں غائب تھا پانی



جُھکا، جُھک کے منھ اپنا اندر کو ڈالا
تو نیچے کی تہہ میں تھا پانی ذرا سا

لگی ٹھیس جب اس طرح ولولے کو    تو حسرت کی نظروں سے دیکھا گھڑے کو
تڑپ پیاس کی ہوگئی کچھ زیادہ    مگر اس نے فوراً ہی بدلا ارادہ



اُڑا اور چُن چُن کے لایا وہ کنکر    گلی میں پڑے مل گئے چند پتھر
مسلسل وہ لا لا کے مٹکے میں ڈالے    پڑے تھے اسے جان کی اپنے لالے

بہت اُس نے کھیلے تھے کھیل لیکن
بہت عقل کا زور اس نے لگایا
مصیبت میں پیدا ہوئی اک مصیبت

یہ ترکیب بھی ہوگئی فیل، لیکن
نہ آنا تھا پانی کو اوپر، نہ آیا
نہ ہاری مگر پھر بھی کوے نے ہمت



اُدھر سوچ میں تھا وہ کوا بچارا
کرامی کی اتا کی نظروں سے چُھپ کر
اُچھل کود سے شور کوئی کیے تھا
کوئی برف لایا، شکر لایا کوئی

اِدھر دوسری سمت تھا شور برپا
مزے کا چلایا تھا بچوں نے چکر
کوئی رُوح افزا کی بوتل لیے تھا
غرض کھیل جاری تھا یہ چوری چوری



لیے تھا کوئی رفری جیٹر کا پانی
لیا سب وہ ساماں تھی جسکی ضرورت
حلاوت رہی جا رہی تھی ادھوری

کوئی برف کی کہہ رہا تھا کہانی
ہُوا چپکے چپکے ہی تیار شربت
تو پھر دُودھ بھی تھا نہایت ضروری



وہیں باہری میز پر جگ کو رکھ کے
تو کوے نے موقع غنیمت یہ جانا

گئے دوڑ کر دُودھ لینے کو بچے
ہُوا جھٹ سے وہ جگ کی جانب روانہ

مزے دار شربت پیا جلدی جلدی  کہ اتنے میں بچوں کی آواز آئی

وہ فر سے اڑا روح افزا کو پی کر  ادھر دوڑ کر آیا بچوں کا لشکر
جو دیکھا تو کچھ بات ہی کچھ نرالی  کبھی خوشبو تو باقی مگر جگ تھا خالی

# جب نزلہ،
# زکام یا فلو کا اثر ہو جائے تو

زیادہ محنت اور تھکاوٹ سے بچئے۔ قبض رفع کیجئے
بھیڑ بھاڑ اور ہجوم سے گریز کیجئے۔ گرد و غبار اور دھوئیں سے دور رہئے اور
بلا تاخیر سعالین استعمال کیجئے۔

## سعالین نزلہ، زکام اور کھانسی کی مفید دوا

مئی ۱۹۷۷ عیسوی
ہمدرد نونہال
رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۹۰۳

کچھ مشروبات محض ذائقہ ہیں اور کچھ محض رنگ
لیکن رُوح افزا بہار کی طرح خوشگوار
اور تازہ جیسے پھول

رُوح افزا دنیا کے ہر مشروب سے مختلف اور برتر ہے جسم کے نظام حرارت و برودت میں
توازن و اعتدال پیدا کر کے گرمی کی شدت و تکلیف سے بچاتا ہے۔ ذائقہ، خوشبو، رنگ اور تاثیر میں
کوئی مشروب اس کا ثانی نہیں۔ ۷۴ سال سے بے مثال اور مشرق و مغرب میں مقبول

رُوح افزا
مشروب مشرق
ہمدرد